

سازِ حیات

(شعری مجموعہ)

کون کہتا ہے کہ منزل نہیں ملتی امجدؔ
عزم کے ساتھ چلو گے تو خدا ملتا ہے

بشیر امجد

جُزوی اعانت اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش، حیدرآباد

سنِ اشاعت ــ نومبر ۱۹۹۸ء

باراول ــ ۵۰۰

کتابت ــ محمد آصف حسین، مشیرآباد، حیدرآباد

طباعت ــ اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد

سرِورق ــ ریاض خوشنویس

قیمت ــ ۶۰/- (ساٹھ روپیے)

ناشر ــ جناب محمد عزیزالدین احمد

ترتیب وتزئین ــ مومن خاں شوق

کتاب ملنے کا پتہ

- بمکان بشیر احمد 5-7-237، نزد چار قندیل روبروڈالفن کیفے۔ آغاپورہ۔ حیدرآباد۔۱ (اے۔پی) فون نمبر 4803551
- عظیم منشن 9-4-86/77، سالار جنگ کالونی، حیدرآباد۔ فون 3513034
- حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد

انتساب

میں اپنے مجموعۂ کلام سازِ حیات کا انتساب اپنے عزیز ترین بھائیوں محترم المقام محمّد فصیح الدّین احمد صاحب ریٹائرڈ سشن جج، محمد خواجہ معین الدّین احمد صاحب مرحوم (ٹیچر) اور ڈاکٹر ممتاز الدین احمد کے نام کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

بشیر امجد

ترتیب و تزئین

غزلیات

نظم

غزلیات



صلاح الدین نیّر
مدیر "خوشبو کا سفر"

شاعرِ حُسن و جمال

بشیر احمد بشیر

تخلیقی ادب کے تجزیہ نگاروں، علم وفن کے نبض شناسوں اور مبصرینِ شعر و ادب کا یہ بھی خیال ہے کہ اعلیٰ اقدار کی پاسداری کرنے والے صاحبانِ فہم و ادراک کی نکھری ستھری زندگی کا عکسِ جمیل نہ صرف اُن کے آئینۂ زندگی میں جلوہ افروز رہتا ہے بلکہ ان کے فکر و خیال کی وسیع کائنات میں بھی کچھ اسطرح پھیل جاتا ہے کہ ان کے فن اور شخصیت کے تمام پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔

جب کبھی وضع دار شخصیتوں کا حُسنِ خیال، فکر و آگہی کی وسعتوں میں ڈھل جاتا ہے تو صالح روایات کی ترجمانی کرنے والی ایک ایک کرن کو خراج پیش کرتا رہتا ہے۔ جن فنکاروں کی ساری زندگی سفیراتِ نورِ سحر کی طرح روشنی تقسیم کرتی رہتی ہے تو ان کا ہر تخلیقی عمل روشن اور منور ہوتا چلا جاتا ہے اور ایسے شاعر و ادیب جن کی سانسوں میں عطرِ عنبر کی مہک اور تازہ پھولوں کی خوشبو موجود ہو اُن کی تخلیق سارے ماحول کو مہکاتی رہے گی۔ بعض اہلِ قلم یہ بھی کہتے ہیں کہ شخصیت کے بہت سے نمایاں پہلو تخلیق کار کے فکر وفن کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ جو شاعر سچے جذبات، زوداثر مشاہدات اور شدید وارداتِ قلبی کو شعری پیکر عطا کرتے ہیں تو ان میں روشن لکیروں کی تمازت اور پھولوں کی تازگی پائی جاتی ہے۔ پاک و صاف زندگی گذارنے والا فنکار سادگی، شگفتگی اور نفاست کی ایک نئی دنیا بساتا ہے اور اس کا تخلیقی کردار بادِ صبا کی پہلی انگڑائی سے شروع ہو کر سارے گلشن کو

شادابی عطا کرنے تک باقی رہتا ہے اور بلا قیدِ موسم گلستانِ رنگ و بو کو نکھارتا رہتا ہے۔

بزرگ و محترم کہنہ مشق شاعر بشیر امجد بھی اُن خوش نصیب قلمکاروں میں سے ایک ہیں جن کا علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی پس منظر بے داغ موسمِ گُل کی طرح فروزاں ہے۔ بشیر امجد صاحب کی شاعری زندگی کی تابناک شعاعوں کی طرح ادبی و شعری ماحول کو جگمگا رہی ہے۔ ایک دیانت دار، نیک صفت انسان کی طرح شاعری کے ساتھ اُن کا مخلصانہ رشتہ ہے۔ وہ خود بھی فن کی قدر و قیمت کو محسوس کرتے ہیں۔ اپنے فن کا احترام کرتے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے دلی جذبات کی ترجمان ہے۔ وہ زندگی کی خوبصورتی کو پوری دیانت داری کے ساتھ برتتے ہیں۔ شاعرانہ طرح داری ان کا مزاج ہے۔

بشیر امجد کے تاحال تین شعری مجموعے "رنگِ حیات"، "تصویرِ حیات" "آئینہ حیات" شائع ہوچکے ہیں۔ "سازِ حیات" اِن کا چوتھا مجموعہ ہے۔ پچھلے مجموعوں کی طرح یہ مجموعہ بھی اپنی مخصوص آن بان کے ساتھ منظرِ عام پر آرہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بشیر امجد کو زندگی کی روشن حقیقتوں اور خوشبو کی دیرپا مہک سے کافی لگاؤ ہے۔ جو شاعر اپنی شاعری کو اپنی زندگی کی طرح چاہتا ہے تو اس کے شاعرانہ بانکپن میں وہ تمام خوبیاں شامل ہوجاتی ہیں جو مہکتے لہکتے گُل و گلزار کے کیف آور ماحول کی یاد دلاتا ہے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے بشیر امجد صاحب سے میری پہلی ملاقات ان کی حقیقی بھتیجی، میری منہ بولی بہن ممتاز شاعرہ انجم قمر سوز کی معرفت اُس وقت ہوئی تھی جب کہ ان کے مجموعہ کلام "سوزِ قمر" کی رسمِ اجراء کی تقریب منعقد کی گئی تھی۔

رسمِ اجراء کی یہ یادگار تقریب انجم قمر سوز کے والد محترم ممتاز عثمانین ریٹائرڈ سشن جج جناب فصیح الدین صاحب کی رہائش گاہ واقع سالار جنگ کالونی

میں انجام پانے والی تھی ۔ رسمِ اجراء کی تقریب سے قبل پُرتکلف عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ "سوزِ قمر" کی رسم اجراء کی تقریب سابق گورنر مہاراشٹر جناب صادق علی کے ہاتھوں انجام پائی ۔ جلسے کو شہر کے نامور دانشوروں نے مخاطب کیا تھا ۔ مشاعرہ کی صدارت حضرت سعید شہیدی نے کی تھی ۔ مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور امیر احمد خسرو نے شرکت کی تھی ۔ ادبی اجلاس و مشاعرہ کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی ۔ ان شعرائے کرام کے علاوہ جناب قمرالدین قمر، صلاح الدین نیر، انجم قمر سوز، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، نہپال سنگھ ورما، بشیر امجد نے کلام سنایا تھا ۔

بشیر امجد صاحب کے بڑے بھائی جناب فصیح الدین کے اہلِ خاندان شعر و ادب اور فنِ موسیقی سے بے حد دلچسپی رکھتے ہیں ۔ انجم قمر سوز کے شوہر محترم ڈاکٹر قمرالدین قمر بھی اچھے شاعر ہیں ۔ انجم قمر سوز کے بھائی نسیم احمد اپنے دور کے مشہور فرزندِ جامعہ عثمانیہ رہے ہیں ۔ ان کی چھوٹی بہن نغمہ اور صفیہ کو شعر و ادب سے اچھا خاصا لگاؤ ہے ۔ ان کی والدہ محترمہ کو فنِ موسیقی سے بے حد دلچسپی ہے ۔ ایک اور چھوٹی بہن رضیہ حبیب نہایت باذوق، اعلیٰ درجہ کا شعری مذاق رکھنے والی خاتونِ دکن ہیں جنکی گفتگو کا ہر جملہ شاعرانہ و دانشورانہ فکر و خیال کا ترجمان بنا رہتا ہے ۔ اسطرح کے شگفتہ، شستہ اور نغمہ پرور کیفیات سے بشیر امجد صاحب کی شخصیت وابستہ رہی ہے ۔ اس قسم کے شائستہ اور خوشگوار ماحول نے ان کے شعری سفر کو جاری رکھنے میں بڑی مدد کی ہے ۔ بشیر امجد صاحب ایک مرنجاں مرنج طبیعت کے انسان ہیں ۔ وضع داری گویا ان کی نس نس میں رچ بس گئی ہے ۔ ان کے لب و لہجہ میں شائستگی کے وہ تمام انداز نمایاں ہیں جو شریف و معتبر اعلیٰ ظرف گھرانوں کی پہچان ہوا کرتے ہیں ۔ ان کے طرزِ تکلم سے خلوص کی خوشبو آتی ہے ۔ ان کا مخلصانہ رویہ آج کا نہیں ہے برسوں سے ہم انہیں اسی انداز سے دیکھ رہے ہیں ۔

ان کا رکھ رکھاؤ حیدرآبادی تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا ہی نہیں ان کا مسکراتا ہوا چہرہ بھی مخاطب کو اپنے دائرہ خلوص میں محصور کرلیتا ہے۔ ان کے لفظوں کے جادوئی اثر سے کوئی بچ نہیں پاتا۔ نہایت شریف انسان ہیں۔ وقت کی پابندی، وعدہ کی پاسداری کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان سے ملاقات کرنی ہو تو ان کے گھر پہونچ کر دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ حیدرآباد کے شرفاء کا مخصوص لباس شیروانی زیب تن کئے ہوئے صدر دروازہ کے روبرو ٹہلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ جسم و جاں کو مہکانے والے عطر کے شوقین ہیں۔ ان کے جسم کی خوشبو جہاں دل و دماغ کو معطر کرتی ہے وہیں عطرِ حنا، جنت الفردوس کی خوشبو ان کے لباسِ فاخرہ کو مہکاتی رہتی ہے۔ خوش لباسی کی وجہ سے وہ سب کی نظر میں رہتے ہیں۔ صاف ستھری شیروانی کے اوپر کے ۲، ۳ بٹن ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ ان کے سرخی مائل رخسار کو غازہ کی ضرورت ہی نہیں ہے وہ ہر اضافی شئے سے بے نیاز ہیں۔ البتہ خوشبودار پان کا استعمال ان کے لبوں کی تراوٹ میں اضافہ کرتا ہے۔ مشاعروں میں ان کا پان کھاتے ہوئے آنا اچھا لگتا ہے۔ ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ان کی شرافت ہے۔ انسانی رشتوں سے انہیں والہانہ وابستگی ہے۔ وہ کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ قبل اسکے کہ کسی مصیبت زدہ شخص کی آنکھ سے آنسو نکل پڑیں وہ اُن آنسوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں۔ مستحق اور قابلِ اعانت لوگوں کی اس طرح مدد کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ کی خبر دوسرے ہاتھ کو نہیں ہوتی۔ بشیر احمد صاحب اپنی عمر کی موجودہ منزل پر پہونچنے تک کئی دور دیکھ چکے ہیں۔ وہ ایسے حالات سے بھی گذرے ہیں جو پھولوں اور کانٹوں کے درمیان پگڈنڈی کی شکل اختیار کرتے رہے ہیں۔ ان کی زندگی کا سفر آج بھی پوری متانت اور اصول پسندی کے ساتھ جاری ہے۔

بشیر احمد صاحب کی شاعری اگرچہ غزل کی شاعری ہے لیکن وہ مسائلی شاعری سے بھی وابستگی رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری کا رنگ بعض اساتذۂ سخن کے کلام کی طرح مخصوص فکر کا حامل ہے۔ قاری ہو کہ سامع ان کے اشعار سے فرحت محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ دیر تک کلام سناتے رہیں۔ ان کے کلام سے جہاں طبع سلیم کو تسکین ملتی ہے وہیں دل و دماغ کو راحت بھی ملتی ہے۔

بشیر احمد صاحب کے شاعر دوستوں کی فہرست پہلے بہت کم تھی لیکن جب سے وہ "ادارۂ میرا شہر میرے لوگ" ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع، سوغاتِ نظر، خورشید احمد جامی میموریل اکیڈمی، فانوسِ ادب اور بزم ماہر (فن و ادب) کے مشاعروں میں پابندی سے شرکت کر رہے ہیں۔ فہرست طویل ہوتی جاری ہے۔ بشیر احمد صاحب جن شاعروں کو بہت زیادہ اپنا سمجھتے ہیں ان شاعروں میں سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، خواجہ شوق، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، سہپال سنگھ ورما، مومن خاں شوق، شفیع اقبال، قاضی انجم عارفی، اثر غوری، شاغل ادیب، ڈاکٹر راہی، پرنس شہامت جاہ، ہاشم حسن سعید، رشید جلیلی، افضل تسلیم، فاروق عارفی، نانک سنگھ نشتر، جگجیون لعل استھانہ سحر، مرزا حیدر بیگ، یوسف یکتا، ساقی ایوبی، یس تے۔ فہیم۔ یوسف الدین یوسف اور ماہر حیدر آبادی قابلِ ذکر ہیں۔ ادبی محفلوں میں اگر وہ کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکیں تو ان کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔ وہ ایک خوش گفتار، خوش اخلاق، خوش مزاج انسان ہونے کے علاوہ ایک مہذب شہری بھی ہیں۔ ایسے صاحبانِ کج کلاہ، وضع دار لوگ شہر میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ بشیر احمد کی شاعری ان کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ سیدھے سادے لفظوں میں خوبصورت بات کہہ جاتے ہیں۔ ان کا شاعرانہ طرز، اساتذۂ سخن سے ملتا ہے۔ رواں دواں بحروں میں شعر کہتے ہیں۔ ان کی زبان ستھری اور ان کا لب و لہجہ شگفتہ ہے۔ چونکہ بشیر احمد صاحب ایک آئینہ صفت

پاک وصاف دل ودماغ رکھنے والے شاعر ہیں اسلئے ان کے اشعار ان کے جذبات ومشاہدات کے سچے ترجمان بن کر صفحۂ قرطاس پر بکھر جاتے ہیں۔ ان کے شعر سنانے کا انداز بھی منفرد ہے۔ تحت میں شعر سناتے ہیں لیکن ادھر کچھ دنوں سے ترنم میں شعر سنا رہے ہیں۔ ان کا ترنم سماعت پر گراں نہیں ہوتا ــــ بشیر احمد صاحب کے فن اور شخصیت کے مختلف گوشوں کی گل افشاں کیفیات کا سلسلہ بہت طویل ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ہمارے شہر کے ایک کہنہ مشق شاعر محترم بشیر احمد کا یہ مجموعہ کلام بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

صلاح الدین نیّر
مدیر "خوشبو کا سفر"

کہکشاں ـ ملے پلی
حیدرآباد

اظہارِ تشکر

"سازِ حیات" میرا چوتھا مجموعۂ کلام ہے۔ اِس کتاب کی اشاعت کے بارے میں میرے بعض کرم فرماؤں نے مفید مشوروں سے نوازا تھا، خاص طور پر اِس سلسلے میں حضرت سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، حضرت خواجہ شوق، ڈاکٹر صادق نقوی، جناب نہپال سنگھ ورما، جناب ہاشم حسن سعید کا شکر گذار ہوں، اس کتاب کے اشاعت کے دوران ہر مرحلہ پر جناب مومن خاں شوق نے جس خلوص سے مجھ سے تعاون کیا ہے اُس کے لئے میں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں جناب صلاح الدین نیر مدیر "خوشبو کا سفر" کا بھی مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنی غیر معمولی مصروفیات کے باوجود میری شاعری پر اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ شکریہ کی فہرست میں جناب نور محمد مالک اعجاز پرنٹنگ پریس، جناب محمد آصف حسین خوشنویس اور جناب ریاض خوشنویس بھی شامل ہیں۔ مجھے یقین ہے میرے ادب دوست اصحاب اس کتاب کی اشاعت پر بھی خوشی محسوس کریں گے۔

بشیر احمد



حمد

خالقِ دو جہاں خدا تُو ہے — اپنے بندوں کا آسرا تُو ہے

تجھ سے پوشیدہ کچھ نہیں یا رب — حال سے سب کے آشنا تُو ہے

سب فنا ہونے والے ہیں اک دن — رہنے والا فقط سدا تُو ہے

تیرا ادراک کیا کسی سے ہو — عقل کی حد سے ماورا تُو ہے

تیری عظمت کسی کو کیا معلوم — ابتدا تو ہے، انتہا تُو ہے

تجھ سے کوئی بڑا نہیں مالک — ہر بڑے سے مگر بڑا تُو ہے

سب سہارے جہاں کے جھوٹے ہیں
میرے امجد کا آسرا تُو ہے



نعت شریف

مجھے یہ کوئی سُنائے خبر مدینے کی
دکھائی دے گی مجھے کب سحر مدینے کی

چلو چلو مرے ہمراہ شہرِ طیبہ کو
مجھے یہ کہتی ہے، بادِ سحر مدینے کی

یہ فیض ہے مرے سرکار ہی کے قدموں کا
کہ جاگ اٹھتی ہے شام و سحر مدینے کی

ٹھہر جا موت ذرا ایک دو گھڑی کے لئے
بُلا رہی ہے مجھے رہگذر مدینے کی

پڑھو نبی پہ درود و سلام کثرت سے
تمنا رکھتے ہو، دل میں اگر مدینے کی

نظر کی، دل کی، فقط ایک ہی تمنا ہے
کہ میں بھی دیکھوں، فضا اک نظر مدینے کی

نہیں ہے فکر زمانے کی آج امجد کو
کہ آ گیا ہوں میں اب راہ پر مدینے کی

نعت شریف

طیبہ کا نظارا کب ہوگا　　آقا کا اشارا کب ہوگا

اک پل بھی گذرنا مشکل ہے　　جینے کا سہارا کب ہوگا

ملاح پریشاں ہوتا ہے　　کشتی کو کنارا کب ہوگا

کب تک مری قسمت سوئے گی　　اونچا یہ ستارا کب ہوگا

پرواز کی طاقت گھٹنے لگی　　پرواز کا یارا کب ہوگا

سب جانبِ طیبہ جاتے ہیں
امجد کو نظارا کب ہوگا

قطعہ

میں مدینے کو جاؤں گا اک دن
میرے آقا کو پاؤں گا اک دن
چھو کے پلکوں سے گنبدِ خضرا
اپنی قسمت جگاؤں گا اک دن

نعت شریف

مری زندگی ہے کہ اشکِ رواں ہے
ترے صدقے جاؤں بتا تو کہاں ہے

نگاہوں سے میری تو اوجھل ہی کب ہے
کہ ہر وقت دل میں تو میرے نہاں ہے

مقدر پلٹ جائے گا اب تو بلا لے
کہ سوئے مدینہ مرا دل رواں ہے

جدائی کے صدمے اٹھانا ہے مشکل
بلا لے مجھے بھی وہاں تو جہاں ہے

اگر تو نہ پوچھے تو جائیں کدھر ہم
تری خاموشی سے ہر اک بدگماں ہے

کوئی صاف امجد کو اتنا بتا دے
کہ جی تو رہا ہے پہ مرنا کہاں ہے



نعت شریف

زباں پر رواں میری نامِ محمدؐ
خدایا پلا مجھکو جامِ محمدؐ

بڑی بے کلی سے گذرتے ہیں یہ دن
نہ جانے کب آئے پیامِ محمدؐ

نہیں مجھکو پروا جو لُٹ جائے جاں بھی
مجھے چاہیئے ایک جامِ محمدؐ

نہ ہو عشق کیوں مجھکو اپنے نبی سے
کلامِ خدا ہے کلامِ محمدؐ

مقدّر بڑی دیر سے سو گیا ہے
جگاؤ اُسے تم بنامِ محمدؐ

یہ سردار ہیں سارے نبیوں کے امجدؔ
ہے اعلیٰ و ارفع مقامِ محمدؐ



نعت شریف

وہ جسکی ثنائیں ہوتی ہیں گلزار کی ڈالی ڈالی پر
قائم ہے حکومت اُسکی ہی، پستی و مقامِ عالی پر

دُکھ درد بھی دل کے ڈھلتے ہیں، ارمان بھی پورے ہوتے ہیں
رکھتے ہیں بھروسہ جو کامل، اُس ذاتِ مقدّس عالی پر

تقدیر مری گر کھل جائے، گنبد کا نظارا ہو جائے
جان اپنی نچھاور کر دوں گا، طیبہ کی سنہری جالی پر

محبوب خدائے ہر دو جہاں، مخلوقِ خدا کی جائے اماں
قربان کروں میں جان اپنی، اُس ذاتِ مقدّس عالی پر

مجبور تریں یہ بندہ ہے اور یاد میں تیری زندہ ہے
ہو تیرا کرم اِس بندہ پر، اور اس کے دامن خالی پر



نعت شریف

ہمارا رہبر ہمارا آقا ہے، سب سے پیارا مدینے والا
کہ جس نے دیں کا سبق پڑھایا، وہ ہے ہمارا مدینے والا

نہیں ہے طوفاں سے ہم کو ہمیں بھنور کا بھی ڈر نہیں ہے
ہماری کشتی ہزار ڈوبے، ہو کنارا مدینے والا

چلے تھے سر کاٹنے کو دشمن، مگر ہوئے پیکرِ ندامت
تھا جس کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ وہ ہے ہمارا مدینے والا

ہوا نہ پیدا کوئی پیمبر جو اتنا امت پہ مہرباں ہو
امیر ہو یا غریب پھر بھی، سبھی کا پیارا مدینے والا

جہاں جہالت کے پاسباں تھے، جہاں اندھیرے ہی حکمراں تھے
وہیں زمینِ عرب پہ چمکا ہے ہمارا پیارا مدینے والا

ہے کشمکش میں یہ زیست اپنی، ہمیں ہے دل کو سکون میسّر
مگر مدد کو سدا جو آیا، وہ ہے ہمارا مدینے والا

جو میرے دل کو قرار دیدے ملا نہ وہ چارہ گر ابھی تک
اگر سہارا ہے کوئی میرا، تو اک سہارا مدینے والا

عرب کی دنیا اُلٹ کے رکھ دی، جہالتیں سب پلٹ کے رکھ دیں
جہاں بھی ایماں پہ حرف آیا، بنا سہارا مدینے والا

فرشتے شاداں تو خوش ہیں انساں کہ ادنیٰ امجد بھی آپ پہ نازاں
خدا بھی شیدا ہے جس پہ ہر دم وہ ہے دُلارا مدینے والا

نعتِ شریف

داستانِ غم اپنی میں سُنانے آیا ہوں
پیاس ہے جو دیرینہ وہ بجھانے آیا ہوں
در سے آپ کے کیسے خالی ہاتھ جاؤں گا
کچھ نہ کچھ تو اس در سے لیکے جانے آیا ہوں
دوسرے بھی آتے ہیں قسمت آزمانے کو
میں بھی اپنی قسمت کو آزمانے آیا ہوں
آپ کی عنایت سے بات میری بن جائے
پھول اپنے ارماں کے میں چڑھانے آیا ہوں
لے کے حسرتِ دیدارِ چشمِ نم کی خواہش پہ
ان کے آستاں پر اب سر جھکانے آیا ہوں
زندگی نے بخشے ہیں رنج و غم مجھے اتنے
زخم ہیں جو سینے میں وہ بتانے آیا ہوں
وقت کے جھمیلوں میں گھر گیا ہوں میں امجدؔ
گردشوں سے گھبرا کر چین پانے آیا ہوں

○

نعت شریف

آنکھوں میں ہے بسی ہوئی صورت رسولؐ کی
روزِ ازل سے دل میں ہے عظمت رسولؐ کی

ہے زندگی کے ساتھ محبت رسولؐ کی
اللہ کا کرم ہے، عنایت رسولؐ کی

دنیائے رنگ و بو سے نہیں مجھکو واسطہ
ہر حال چاہیئے مجھے، قربت رسولؐ کی

تقدیر جسکی جاگی وہ طیبہ چلا گیا
اُس کو ہوئی نصیب، زیارت رسولؐ کی

تیرے کرم کے آگے گناہوں کا وزن کیا
یارب قبول کرلے، زیارت رسولؐ کی

انجدؔ خدا کو کون نہیں مانتا مگر
ایمان ہے ہمارا، محبت رسولؐ کی

○

غزل

آج برسات کے آثار نظر آتے ہیں
اہلِ گلشن سبھی سرشار نظر آتے ہیں

کل تلک دوست مرے ذکر پہ خوش ہوتے تھے
اب وہی در پئے آزار نظر آتے ہیں

آج کچھ اس طرح ساقی کا کرم عام ہوا
جس طرف دیکھئے میخوار نظر آتے ہیں

گُل کوئی بچ نہ سکا ظلم سے گلچینوں کے
جس طرف دیکھئے اب خار نظر آتے ہیں

اُن کے چہرے ہی بتاتے ہیں حقیقت دل کی
آج جینے سے جو بیزار نظر آتے ہیں

کیوں نہ سوچے گی بھلا موت بھی چھونے سے مجھے
میرے جینے کے جب آثار نظر آتے ہیں

میکدے سے جنھیں نفرت تھی ہمیشہ امجد
آج مجھکو وہی میخوار نظر آتے ہیں



پیار کی عمر کو کچھ اور بڑھائے رکھیے
دل کے داغوں کو سلیقے سے سجائے رکھیے

کیا بھروسہ کہ فقط دوست ہی کام آئینگے
دشمنوں کو بھی ذرا اپنا بنائے رکھیے

منزلِ عشق کو قدموں پہ جھکانا ہے اگر
حسرت و یاس کو سینے سے لگائے رکھیے

حسرتِ دید کی تکمیل کبھی ہو کہ نہ ہو
دل میں اُمید کے فانوس جلائے رکھیے

لوگ کہتے ہیں سکوں ملتا ہے دل کو امجد
محفلِ دوست میں رنگ اپنا جمائے رکھیے





حُسن اور عشق کی کتاب ہوں میں
شاعری کا حسین باب ہوں میں

میں تو ہر دل پہ راج کرتا ہوں
زندگانی میں کامیاب ہوں میں

عہدِ پیری کا کوئی خوف نہیں
غور کر حاصل شباب ہوں میں

میں نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں
لوگ کہتے ہیں لاجواب ہوں میں

میرے دل کا عجیب عالم ہے
تو ہے نشّہ اگر شراب ہوں میں

جس میں شامل ہوئے ہیں افسانے
ایسی دلچسپ اک کتاب ہوں میں

یہ تو امجد ہی جانتا ہوگا
جانے کس کس کا انتخاب ہوں میں





حادثوں سے وقت کے گھبرائیں کیا
داغِ دل ہر ایک کو دکھلائیں کیا

اس کو کیا معلوم رشتہ پیار کا
نا سمجھ ہے دل، اسے سمجھائیں کیا

سنگدل سے کیا ہو امیدِ کرم
اپنا سر پتھر سے ہم ٹکرائیں کیا

برق کی زد میں ہے ہر اک شاخِ گل
ایسی حالت میں چمن کو جائیں کیا

مانگنا ٹھہرا تو حق سے مانگ لیں
ہاتھ سب کے سامنے پھیلائیں کیا

آدمیت کی کوئی قیمت نہیں
ایسی دولت کو مگر ٹھکرائیں کیا

راہ کے پتھر تو ہیں امجد بہت
دیدہ و دانستہ ٹھوکر کھائیں کیا





گھر گھر میں محبت کے یوں سامان بہت ہیں
کن کن کو گنائیں گے ارمان بہت ہیں

حیراں ہیں جہاں والے کریں کس پہ بھروسہ
بھیس اپنا بدلتے ہوئے انسان بہت ہیں

گر چاک ہو سینہ تو بتا دیتے انھیں زخم
اس پر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ احسان بہت ہیں

کتنے ہیں بشر آج بھی جو وقفِ الم ہیں
"عید آئی ہے پھر عیش کے ساماں بہت ہیں"

بے چین ہیں بے تاب ہیں مضطر ہیں ہر آن
جو دل میں تھے مدت سے وہ ارماں بہت ہیں

جب دید نہ ہو یار کی کیا عید وہ امجد
کہنے کو تو اب عید کے ساماں بہت ہیں



اُن کی زباں پہ آج میرا نام آگیا
اپنا جنونِ عشق بڑا کام آ
اُن کی نوازشوں کا صلہ خوب یہ مِلا
بیٹھے بٹھائے ہم پہ یہ الزا
یہ شانِ میکشی بھی ہماری عجیب ہے
بن جائے میرے ہاتھوں میں اب
اک وقت تھا کہ لرزہ بر اندام تھا جہاں
اک وقت ہے کہ ہم پہ ہی الزا
اک گُدگُدی سی دل میں ہے امجد کے کس لئے
وہ کون ہے جو آج لبِ بام آگیا



قطعہ

بعد ظلمت کے پھر اُجالا ہے
کھیل یارب ترا نرالا ہے
فکرِ انسان ہے عبث لوگو
وہی ہوگا جو ہونے والا ہے





دگی میں زندگی کی بات کرو — غم کو چھوڑو خوشی کی بات کرو

قلا بات سے نہ گھبراؤ — کچھ تو فرزانگی کی بات کرو

ب تلک تذکرہ اندھیروں کا — تم کبھی روشنی کی بات کرو

ت پھولوں کی جب نکل آئے — رنگ و بو کی ہنسی کی بات کرو

ستی کا تو کچھ لحاظ رہے — دوست سے دوستی کی بات کرو

یکدے میں نہیں رہا کچھ بھی — اب فقط تشنگی کی بات کرو

یہ تقاضا ہے عشق کا امجد
جب کرو بس اُسی کی بات کرو۔





غمِ دل کارگر نہیں ہوتا — اُس پہ کوئی اثر نہیں ہوتا

کیوں سکوں کے لیے تڑپتے ہو — دردِ کم عُمر بھر نہیں ہوتا

مستقل جو مزاج رکھتا ہے — وہ اِدھر سے اُدھر نہیں ہوتا

زندگی مختصر تو ہوتی ہے — غم مگر مختصر نہیں ہوتا

جس نے پایا ہے تیری مرضی کو — وہ کبھی دربدر نہیں ہوتا

بات کرتے ہیں سب دکھاوے کی — کوئی بھی ہمسفر نہیں ہوتا

لاکھ کوشش کے باوجود امجد
وہ کسی کا مگر نہیں ہوتا





محبت ہر اک سے جتاؤ نہ ہرگز
نظر میں ہر اک کی سماؤ نہ ہرگز
فریبی کو اپنا بناؤ نہ ہرگز
فریبوں میں دنیا کے آؤ نہ ہرگز
کسی کا بھی یہ ساتھ دیتا نہیں ہے
زمانے کی چکر میں آؤ نہ ہرگز
جہاں آدمی آدمی کا ہو دشمن
کسی ایسی محفل میں جاؤ نہ ہرگز
تقاضائے انسانیت یہ نہیں ہے
کسی کے بھی دل کو دکھاؤ نہ ہرگز
کدورت ہو جن سے کہ پیدا دلوں میں
وہ باتیں کبھی دل میں لاؤ نہ ہرگز
ہے احسان کرنا بہت خوب امجدؔ
مگر کر کے احساں جتاؤ نہ ہرگز





درد تو دل کے پاس رہتا ہے — وہ نہ ہو تو اداس رہتا ہے

لاکھ خاموش ہو نظر لیکن — اس میں بھی التماس رہتا ہے

آپ کی یاد جب نہیں آتی — دل بہت بدحواس رہتا ہے

دور رہتا ہے جو نگاہوں سے — وہ میرے دل کے پاس رہتا ہے

جینے والا کسی کی فرقت میں — عمر ساری اداس رہتا ہے

اس کی دوری پر اکثر اے امجد
بے رخی کا قیاس رہتا ہے



قطعہ

زندگی ایک نقش فانی ہے
یہ کتابوں کی اک کہانی ہے
موت جکڑے گی ایک دن امجد
کیا بڑھاپا ہے کیا جوانی ہے





اظہارِ محبت کا ہو جائے تو اچھا ہے

دل اُس کے خیالوں میں کھو جائے تو اچھا ہے

یہ وقت ہی ایسا ہے کچھ کہیئے تو کیا کہیئے

روٹھی ہوئی قسمت بھی سو جائے تو اچھا ہے

لُٹنا ہی مقدر ہے لٹنے کا کوئی غم کیا

تکمیلِ غمِ دل کی ہو جائے تو اچھا ہے

بے چین مجھے کر کے کیا آئے گا چین اسکو

میری ہی طرح وہ بھی کھو جائے تو اچھا ہے

جب ربط نہیں اُن سے وعدوں کا بھرم کیا

اب دل بھی جدا مجھ سے ہو جائے تو اچھا ہے

اے ارض و سما والے امجد کی ذرا سن لے

اب یاد میں اُسکی دل کھو جائے تو اچھا ہے





تصویر تری میں نے آنکھوں میں چھپالی ہے
نزدیک بلانے کی ترکیب نکالی ہے

رستے بھی بدلتے ہیں، منظر بھی بدلتے ہیں
اس راہ محبت کی ہر چیز نرالی ہے

افتاد سے قسمت کی حیراں ہیں چمن والے
بربادی پہ آمادہ خود باغ کا مالی ہے

تشبیہہ دوں میں کس سے اس حسن مجسم کو
اس جانِ تمنّا کی ہر بات نرالی ہے

اکثر میری نظروں پر یہ صاف نہیں کھلتا
نازک ہے ترا پیکر یا پھولوں کی ڈالی ہے

برسوں سے رہی کوشش ہے پایا نہ اسے اب تک
بے فائدہ امجد نے زیست اپنی گنوالی ہے





عجب طرح سے احسان کر گیا کوئی
نئی حیات کا سامان کر گیا کوئی

بڑے مزے میں گذرتی تھی بیقراری میں
دلاسا دے کے پریشان کر گیا کوئی

دل و نگاہ میں میرے سما کے آٹھ پہر
دل و نگاہ کو ویران کر گیا کوئی

دکھا کے ایک ذرا سی جھلک سرِ محفل
ہر اک نگاہ کو حیران کر گیا کوئی

اب اُسکی وعدہ خلافی کا کیا گِلہ کیجے
دوبارہ آنے کا پیمان کر گیا کوئی

پتہ نہیں تری صورت میں کیا نظر آیا
متاعِ زیست کو قربان کر گیا کوئی

تسلّیاں مجھے دے دے کے ہر گھڑی امجدؔ
میری حیات کو آسان کر گیا کوئی





اُن کو میرا خیال آ ہی گیا
پھر سے اُن کو جلال آ ہی گیا

بات ایسی ہی تم نے چھیڑی تھی
دل پہ اپنے ملال آ ہی گیا

آنکھ جھپکی تو تم نظر آئے
جلوۂ بے مثال آ ہی گیا

زندگی تھی عروج پر لیکن
پھر بھی مجھکو زوال آ ہی گیا

زُلف کی برہمی تھی کچھ ایسی
کوئی پھیلا کے جال آ ہی گیا

میری نظریں جواب تھیں امجد
اُن کے لب پر سوال آ ہی گیا





نظارے کبھی ایسے نظروں سے گذرے
کہ صدمے ہمیشہ ہی اپنوں سے گذرے
پتہ اُن کا اب تک نہ ہم پا سکے ہیں
بیاباں چھائے ہیں شہروں سے گذرے
نہیں ہوش طوفاں کا اتنا بھی ہم کو
تھپیڑوں سے گذرے کہ لہروں سے گذرے
تیری رہگذر میں قیامت تھی برپا
تصوّر میں پھولوں کے کانٹوں سے گذرے

دکھاتے ہوئے دور سے اپنا جلوہ
کئی بار امجد وہ سپنوں سے گذرے





دیکھئے ہم کس قدر مجبور ہیں — رکھ کے سب کچھ ہو گئے رنجور ہیں

جال پھیلائے کھڑا صیاد ہے — اور پرندے جال سے ہی دُور ہیں

مد بھرے نینوں کا جادو چل گیا — بے پئے بھی ہم بہت مخمور ہیں

میکدے کی راہ جب اُن کو ملی — آج زاہد بھی بڑے مسرور ہیں

کس کی آنکھوں کا اُجالا بس گیا — آج آنکھیں بھی مری پُر نور ہیں

تیری امجدؔ پارسائی کیا ہوئی
کس لئے آنکھیں تری مخمور ہیں



قطعہ

جو بھی دست طلب بڑھاتا ہے
بندہ بندے کو آزماتا ہے
دہر میں کیا بتائیں ہم امجدؔ
کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے





گُل جیسے رُخسار کے صدقے — ابروئے خمدار کے صدقے

ڈوبتا جاتا ہے دل اپنا — اُن کی اِس تکرار کے صدقے

زیست بھی شیریں بن گئی اپنی — اُن کی اس گفتار کے صدقے

جو بھی آیا پھنس گیا اس میں — گیسوئے خمدار کے صدقے

صدقے ہونا کام ہے اپنا — بس میرے سرکار کے صدقے

مہکی مہکی سانس ہے اپنی — بوئے گُل و گلزار کے صدقے

ہوش میں آتے ہیں میکش بھی — ساقی کی گفتار کے صدقے

راہ پر آئی زندگی انجم
روئے پُر انوار کے صدقے





جلایا ہے ہم کو کسی کے ستم نے
دلاسے دئیے ہیں امیدِ کرم نے

نہیں کوئی امید بچنے کی یا رب
ہمیں گھیر رکھا ہے رنج و الم نے

زمانے نے کیا کیا تباہی مچائی
بچایا مگر ہم کو دستِ کرم نے

بھٹکتے ہوئے راہ گیروں کو اکثر
سہارا دیا بڑھ کے دیر و حرم نے

دعا ان کو دیجیے شب و روز امجدؔ
چڑھایا ہے مولیٰ یہ جن کے کرم نے



قطعہ

کسقدر ٹھنڈی شبِ مہتاب ہے
دل کے تاروں کے لئے مضراب ہے

سوچتے کیا ہو بشیرِ امجدؔ کھڑے
شعر و نغمہ کا نیا اک باب ہے



بڑی بے دلی سے بسر ہو رہی ہے — نہ پوچھو کہ کیسے گذر ہو رہی ہے
ہماری شبِ غم کا عالم نہ پوچھو — ستارے ہی گنتے سحر ہو رہی ہے
میں زندہ ہوں مالک ترے ہی کرم سے — دُعا میری کیوں بے اثر ہو رہی ہے
یہ ہے قہر کیسا یہ ہے کیا تباہی — ہر آفت ہمارے ہی سر ہو رہی ہے

ترٹپنے کی امجدؔ کوئی حد ہے آخر
شبِ ہجر کی اب سحر ہو رہی ہے



قطعہ

وفا کو تو میری ذرا تم پرکھ لو
خدارا بھرم میری اُلفت کا رکھ لو
تمہاری محبت میں مرتا ہے امجدؔ
شرابِ محبت کو تم بھی تو چکھ لو





فقط تیری تعریف، دل پر رقم ہے
ہر اک شئے پہ تیرا ہی فضل و کرم ہے

نہیں مجھ میں خوبی کوئی میرے مالک
ترے نام ہی سے تو میرا بھرم ہے

ذرا تم سنبھل کے یہاں آگے بڑھنا
کہاں جا رہے ہو یہ دیر و حرم ہے

عجب رہگذر ہے عجب میری منزل
مصیبت مرے ساتھ کیوں دم بدم ہے

نہ میں اجنبی ہوں نہ وہ اجنبی تھا
جو دیکھا نظر بھر تو، اپنا صنم ہے

بڑی آرزو سے چلے ہم تو امجدؔ
رہِ عاشقی میں یہ پہلا قدم ہے





ملا کر نظر وہ جو انجان ہے — یہ کیا بات ہے عقل حیران ہے

نعمتیں غیر محدود ہیں — عجب تیرا عالم عجب شان ہے

جدائی کے صدموں کا عالم نہ پوچھ — نظر مضمحل دل پریشان ہے

رہِ عشق میں ساری دولت لٹی — دل اپنا مکمل جو ویران ہے

تراشے ہوئے بت خدا بن گئے — خدایا تری یہ بھی اک شان ہے

تجھے چھوڑ کر ہے پریشاں جہاں — مصیبت میں ہر ایک انسان ہے

مصائب میں ہے جانِ امجد گھری
خدایا تو اس کا نگہبان ہے





تمہاری نگاہوں کے مارے ہوئے ہیں
فقط یاد میں دن گزارے ہوئے ہیں

الٰہی ہمیں نیک توفیق دے تُو
تجھے بھول کر بے سہارے ہوئے ہیں

اگر تو نہ دے گا تو پھر کون دے گا
کہ دامن کو اپنے پسارے ہوئے ہیں

ہر اک در سے قسمت نے ٹھکرا دیا ہے
تو مایوسیوں میں تمہارے ہوئے ہیں

بڑی کاوشوں سے یہ موقع ملا ہے
ہم اب اُن کے وہ اب ہمارے ہوتے ہیں

تڑپتا ہے امجد تمہیں دیکھنے کو
کچھ ایسے ادھورے نظارے ہوتے ہیں



○

مانا کہ ساتھیو ہم محفل سے جا رہے ہیں
پیچھے جو رہ گئے ہیں وہ بھی تو آ رہے ہیں

غم ہم کو یہ رہا ہے بیکار وقت گذرا
ہر آن ہر گھڑی یاں صدمے اٹھا رہے ہیں

آئے تھے مسکرا کر جاتے ہیں رنج و غم سے
ہر اک نے ساتھ چھوڑا تنہا ہی جا رہے ہیں

روزِ حساب کا بھی یہ فیصلہ اٹل ہے
جیسا کیا یہاں پر ویسا ہی پا رہے ہیں

آئی حیات تو ہم خوش ہو گئے تھے کتنے
آئی جو موت تو سب آنسو بہا رہے ہیں

عقل و خرد کو کھو کر مغرور ہو گئے
آئی قضا جو سر پہ تو تلملا رہے ہیں

کتنی بڑی سزا ہے غفلت کی یہ بھی امجد
احساں جو ہم جہاں میں سب کے اٹھا رہے ہیں

○



ظلم و ستم تمہارا، نوازش سے کم نہیں
اس کا نتیجہ کچھ ہو مگر ہم کو غم نہیں

چاہے قریب آؤ، رہو چاہے دور دور
عادت سی ہو گئی ہے اب اس کا بھی غم نہیں

سمجھیں گے آپ کیسے، ہماری تباہیاں
دل تو ہے آپ ہی کا جو پتھّر سے کم نہیں

ہے وقت کا تقاضا، بدلنا نگاہ کا
نفرت سی کیوں ہے ہم سے ہم اوروں سے کم نہیں

دھوکا کہو اسے کہ فریبِ نظر کہو
ڈھونڈا جسے وہ شیشہ کا اپنا صنم نہیں

آنے دو آفتوں کو سہیں گے خوشی خوشی
دیکھیں گے آپ خود ہی کہ، گردن یہ خم نہیں

امجد یہ فنِّ شاعری آساں نہیں مگر
ہر شخص کو گماں ہے کسی سے وہ کم نہیں





آپ کی ہم پر عنایت جب سے کچھ کم ہو گئی
زندگی بھولا ہوا افسانۂ غم ہو گئی

جانفزا تھی اس قدر ان کے تبسم کی ادا
درد کا درماں بنی، زخموں کا مرہم ہو گئی

سلسلے سے حادثے ملنے کو جب آنے لگے
دوستی دنیا سے اپنی اور محکم ہو گئی

جو کبھی ہنستے تھے سن کر داستانِ غم مری
آج میرے حال پہ آنکھ ان کی بھی نم ہو گئی

دردمندوں کا زمانے میں مذاق اڑنے لگا
بے اثر شاید ہماری سعیِ پیہم ہو گئی

عہدِ ماضی کی وہ باتیں آئیں گی امجد کہاں
لوگ وہ کیا اٹھ گئے محفل ہی برہم ہو گئی





رحم و کرم پہ تیرے یہ باقی ہے زندگی
گھونگھٹ ذرا ہٹا دے یہ کیسا حجاب ہے

ساحل کے پاس آتے یہ کشتی الٹ گئی
اے وقت تو بتا دے یہ کیا انقلاب ہے

کب تک ہمارا ہوتا رہے گا یہ امتحاں
انصاف تیرا کیا ہے، بھلا کیا حساب ہے

اک بار پھر سے اپنا مقدّر بدل گیا
جسکو پکارا تو نے وہ خانہ خراب ہے

تیرے لئے ہی ہم نے سجایا ہے آشیاں
اے برق رک بھی جا ابھی موسم خراب ہے

آئینہ سامنے ہے تو کر اپنا احتساب
میری نظر جو ہے وہی تیری کتاب ہے

امجد کرے گا شُکر ادا کسطرح ترا
جو دے رہا ہے اُسکو تو وہ بے حساب ہے





مقدر کی باتیں ہیں کس پر گلا ہے
مرے سر پہ آفت کا بادل رہا ہے

کوئی بات ہے میرا دل جل رہا ہے
ادھر ہاتھ اپنے کوئی مل رہا ہے

خرد پر نہ اترا، یوں اترانے والے
ترے پیار میں کوئی پاگل رہا ہے

بہاروں کی دنیا تمہیں کو مبارک
مقدر میں میرے تو دلدل رہا ہے

ذرا آکے دیکھو طرب کے اجالو
غموں کے سہارے کوئی پل رہا ہے

جدائی کے صدمے اٹھاتے اٹھاتے
کوئی شمع بن کر یہاں جل رہا ہے

یہ کیسا جہاں ہے بنے دوست دشمن
نہ وہ آج اپنا نہ تو کل رہا ہے

حقیقت سے تم کو غرض کیا ہے اجملؔ
زمانہ ہی جب جھوٹ پر چل رہا ہے





انہیں حال اپنا سنائینگے کیسے — محبت کی دنیا بسائینگے کیسے

بوقتِ جدائی خموشی کا منظر — نگاہوں سے اپنی ہٹائینگے کیسے

ہر اک کی نگاہیں انہیں پر لگی ہیں — ہر اک کی نظر سے بچائینگے کیسے

ستمگر ہے وہ اور جفا اسکی عادت — جدائی کے صدمے اٹھائینگے کیسے

تغافل کو اپنے ذرا دور رکھنا — ہم اپنی وفائیں نبھائینگے کیسے

کچھ اسطرح پھیلی ہے آپس میں نفرت — دلوں کی کدورت مٹائینگے کیسے

جنھوں نے تصور میں دنیا گذاری — وہ شمعِ حقیقت جلائینگے کیسے

بجھا سکتے ہیں آگ گلشن کی امجد
جو ہے آگ دل کی بجھائینگے کیسے





اُن کی اک اک ادا چاہیئے
دردِ دل کی دوا چاہیئے

روح کو بخش دے تازگی
پھر سے رنگیں فضا چاہیئے

فیصلہ آپ کا ٹھیک ہے
مجھکو میری سزا چاہیئے

کب تلک توبہ کرتے رہیں
میکشی کا مزہ چاہیئے

بُھولنا اُن کو ٹھہرا اگر
زخمِ دل اب ہرا چاہیئے

عشق بے چین سا ہو گیا
حُسن کا آسرا چاہیئے

بن کے دیوانہ پھرتا ہے جو
اُس کا انجدؔ پتا چاہیئے





حُسن کو آشکار کرتے ہو — اجنبی سے بھی پیار کرتے ہو

اُلجھے گیسو تو بن گئے قاتل — اور پھر کیا سنگھار کرتے ہو

اُن کے وعدوں کا کیا بھروسہ ہے — کب تلک اعتبار کرتے ہو

جب بھی ملتا ہے تم کو کچھ موقع — ہر نظر دل پہ وار کرتے ہو

اک قیامت بپا ہوئی تم سے — جب نظر ہم سے چار کرتے ہو

بے وفا دوستوں کی محفل میں — کیوں ہمیں بھی شمار کرتے ہو

شرم کی بات ہے بہت امجدؔ
شغلِ مے اختیار کرتے ہو





ساحل پہ کیوں نظر ہو طوفاں سے کھیلنا ہے
آفت ہو یا مصیبت، ہنس ہنس کے جھیلنا ہے

کوئی نہیں ہے ساتھی جو ساتھ دے ہمارا
ہر اک کٹھن گھڑی کو ہنس ہنس کے جھیلنا ہے

نظریں ملا کے تم نے بے چین کر دیا ہے
کروٹ بدل بدل کر شب کو ڈھکیلنا ہے

آساں نہیں ہے اتنا میدانِ زندگانی
دل کو جلا جلا کر اشکوں سے کھیلنا ہے

میخانہ تیرا ساقی دیتا ہے عام دعوت
جانا وہاں پہ کیا ہے، مینا سے کھیلنا ہے

سن لو ذرا یہ امجدؔ اتنا نہ تیز دوڑو
خود آگے رہ کے پیچھے کس کو ڈھکیلنا ہے





روداد غم مری ہے نہ ہی عرضِ حال ہے
صبر و سکوں ہی نہیں اتنا ملال ہے

چہرہ تمہارا دل سے بھلانا محال ہے
آٹھوں پہر نظر میں تمہارا جمال ہے

سب جانتے ہیں کیسے مرے آشیاں کا حال
سنتے ہیں آج برق کو کافی جلال ہے

کیا کیا گزر رہی ہے بتاؤں میں کس طرح
نظریں ہیں تجھ پہ دل میں بھی تیرا خیال ہے

بے عیب ذات تیری رحیم و کریم تو
کیا شان تیری اور تری کیا مثال ہے

تیری نوازشوں سے ہے سرسبز زندگی
جن و بشر یہاں پہ ہر اک حسبِ حال ہے

امجد سنبھل کے چلنا نشیب و فراز میں
یہ امتحانِ زیست میں ٹیڑھا سوال ہے





اقرارِ وفا کر کے تلوار وہ بن بیٹھے
دل لے کے خوشی سے ہشیار وہ بن بیٹھے

پوچھا بھی نہیں میں نے وہ خود ہی چلے آئے
میرے ہی لئے کیوں اب اصرار وہ بن بیٹھے

یہ امن کی باتیں ہیں ظاہر بھی امید افزا
سمجھے تھے جنہیں اپنا اشرار وہ بن بیٹھے

ساقی تری شہرت نے کیا بات بنا ڈالی
زاہد تھے جو کل تک بھی میخوار وہ بن بیٹھے

حاصل نہ ہوا کچھ بھی دنیا کی عنایت سے
دنیا کی نگاہوں میں بیکار وہ بن بیٹھے

یہ کیسا ستم لوگو یہ کیسا ہے غم لوگو
کیوں آج ہمارے بھی اغیار وہ بن بیٹھے

امجد نے غزل کہہ کر اک نام کیا پیدا
دنیائے ادب میں بھی فنکار وہ بن بیٹھے





عنایت کی اُس نے جو ہم پر نظر کی
اِسی بات کی ہم نے دل کو خبر کی

بیاں کیا ہو حالت شبِ مختصر کی
کہ ہے داستاں اپنے خونِ جگر کی

کرو فکر اپنی تو کچھ بات بھی ہے
غرض اب تمہیں کیوں ہے غیروں کے گھر کی

پتہ ڈھونڈنے میں کٹی عمر ساری
شکایت کریں کیا تری رہگذر کی

سنبھلتا ہے انسان علم و ہنر سے
اندھیروں میں جیسے ضرورت قمر کی

سکوں ہم کو الحمد میسّر ہوا تھا
اچانک بلا آئی ہے یہ کدھر کی





تمنائے دل جب سے بسمل ہوئی ہے
خوشی زندگی کی بھی زائل ہوئی ہے

سنبھالے چلو تم یہ گھونگھٹ کو اپنے
ہوا بھی شرارت پہ مائل ہوئی ہے

حقیقت کو دُنیا نے جانا ہے جب سے
اُصولوں کی وہ میرے قائل ہوئی ہے

عجب میری دیوانگی کا ہے عالم
جہاں پر خرد بھی نہ مائل ہوئی ہے

بچا ہے نہ کوئی تری رہگذر سے
ہر اک کی نظریاں یہ بسمل ہوئی ہے

کسی نے ہمیں زندگی میں نہ پوچھا
مگر زندگی آج مائل ہوئی ہے

یہ دُوری، جدائی، مصیبت یہ امجد
ہر اک درمیاں میرے حائل ہوئی ہے





جب کبھی ذکرِ یار ہوتا ہے — دل میرا بے قرار ہوتا ہے

جی نہیں سکتا آدمی تنہا — کوئی تو راز دار ہوتا ہے

لاکھ ہو اختیار اپنے پر — درد بے اختیار ہوتا ہے

سامنا جب بھی ہوتا ہے اُنکا — ہر نظر میں خمار ہوتا ہے

زندگی کو بُرا بھلا نہ کہو — اُس کا بھی اعتبار ہوتا ہے

جس پہ جو گذرے بس وہی جانے — انتظار انتظار ہوتا ہے

اِس کو قسمت کہیں کہ مجبوری — اُن کو ملنے سے عار ہوتا ہے

بندۂ عشق جو بھی ہو امجد
جان و دل سے نثار ہوتا ہے





دھڑکتا ہے دل اور بہکتی نظر ہے
ترے حسنِ رنگیں کا شاید اثر ہے

زمانے کے ہاتھوں سبھی ہیں پریشاں
مصائب میں محصور ہر اک بشر ہے

نہ سلجھیں گی یہ گتھیاں ہر کسی سے
لکھا ہے جو اُس نے اُسی کو خبر ہے

بہت ہے تبسم کی فرصت بھی لوگو
گُلوں کی طرح زندگی مختصر ہے

نہ رکھّو قدم اپنے بے باک ہو کر
محبت کی دُنیا بڑی پُر خطر ہے

نہیں راہ کی مشکلوں کا کوئی غم
خیال آپ کا ہر جگہ ہمسفر ہے

عجب زندگی کے مسائل ہیں امجدؔ
اندھیرا جہاں ہے وہیں پر سحر ہے





اب دعاؤں میں کہاں تاثیر ہے
اُن سے دوری ہی میری تقدیر ہے

کہہ رہی ہے حال قسمت کا مری
میری ہاتھوں کی عجب تحریر ہے

عشق کا عالم بیاں کیا ہو سکے
زندگی خود عشق کی تفسیر ہے

کٹ گئی غفلت میں ساری زندگی
ہوش میں آنے کی کیا تدبیر ہے

ڈوبتے تارے شبِ غم کہہ گئے
ان کے آنے میں ابھی تاخیر ہے

زندگی امجد ہماری آج کل
غم کی جیتی جاگتی تصویر ہے





کالی گھٹا ہے رنج و الم ہے — زیست پہ میری کتنا ستم ہے

جاؤں کہاں میں کانٹے بچھے ہیں — کیا یہی مالک تیرا کرم ہے

کس لئے آنسو اب ڈھلتے ہیں — مجھکو بتاؤ کس کا غم ہے

یاد تمہاری تڑپاتی ہے — پیار تمہارا دل میں ضم ہے

کیا ہے حقیقت کون بتائے — سارے جہاں میں جھوٹا بھرم ہے

ہوں میں گناہوں کا اک بندہ — شرمندہ ہوں گردن خم ہے

عہدِ پیری توبہ توبہ — بینائی بھی اب مدھم ہے

شہرت والے لاکھ ملیں گے
امجد سا دنیا میں کم ہے





اثر اپنے غم نے دکھا تو دیا ہے
مرے دل کو دل سے ملا تو دیا ہے

تڑپنا سکھا کر تڑپتے ہی چھوڑا
یہ کیا کم ہے تُو نے رُلا تو دیا ہے

جفاؤں کے بدلے مرا حال ہے یہ
وفا کو قرینہ سکھا تو دیا ہے

ستم کوشیوں میں سکوں مل گیا ہے
گھڑی دو گھڑی بس سُلا تو دیا ہے

نہیں مجھ کو یارب تمنا کسی کی
ہر اک آرزو کو مٹا تو دیا ہے

بسایا تھا دل میں گیا دور اس سے
کرم اپنا آخر دکھا تو دیا ہے

کہاں تک میں الجھوں زمانے سے امجد
نشیمن خود اپنا جلا تو دیا ہے





نظر اِن سے چار ہونا بھی، عذاب ہو گیا ہے
کہ نصیب ہی ہمارا جو، خراب ہو گیا ہے

میں نے دل جلا کے لوگو، سرِ شام روشنی کی
کسی پیار کا سمندر بھی، سراب ہو گیا ہے

بڑے پیار سے اجل نے مرا ہاتھ آ کے تھاما
میری بیتی زندگی کا، حساب ہو گیا ہے

شب و روز میکدے میں میری کٹ رہی تھی بہتر
مرے ساتھ آج ساقی کا عتاب ہو گیا ہے

تری یاد کے سہارے کوئی جی رہا تھا اب تک
جو مِٹا دے نقش اُس کا وہی باب ہو گیا ہے

تری بے رخی کا پردہ بھلا کیا اٹھائے امجد
تو کچھ اس طرح سے بھولا، کوئی خواب ہو گیا ہے





فریاد میری سن کر خاموش ہو گئے وہ
دیکھا جو میری حالت بے ہوش ہو گئے وہ

جب تک میں خواب میں تھا لطف و کرم تھا مجھ پہ
آنکھیں کھلیں تو دیکھا روپوش ہو گئے وہ

چھو کر کبھی نہ دیکھا کہتے ہیں جام کس کو
کچھ ایسا رنگ بدلا مے نوش ہو گئے وہ

امجد کو دور کر کے وہ بھی ہوئے اکیلے
کس نے کیا یہ جادو خاموش ہو گئے وہ





رستہ کا نشاں ہے نہ تو منزل کا پتہ ہے
اب میں ہوں، میرا ذوقِ سفر راہنما ہے

اظہارِ محبت کی یہ دلچسپ ادا ہے
خاموش نگاہوں سے کوئی دیکھ رہا ہے

اے ذوقِ طلب یہ تری دیوانگی کیا ہے
منزل ہے نگاہوں میں، مگر ڈھونڈ رہا ہے

معلوم نہیں اور وہ کیا سوچ رہا ہے
منزل کے قریب آ کے جو خاموش کھڑا ہے

اربابِ چمن، حسنِ بہاروں میں لگے ہیں
ہر گوشے میں پھیلی ہوئی تاریک فضا ہے

یہ حال ہے انسان کا حالات کے ہاتھوں
جینے میں کوئی لطف نہ مرنے میں مزہ ہے

تازہ ہے جو اک یاد کا ہر زخم ابھی امجد
انعامِ محبت ہے یہ یا کوئی سزا ہے





حالاتِ زندگی نے اِتنا مجھے ستایا
بدلے میں آنسوؤں کے خونِ جگر پلایا

جب سے عدو نے نقشہ کچھ اسطرح جمایا
اک جال سازشوں کا میرے لئے بچھایا

اُس کے کرم کے صدقے بدلا ہے رنگ ایسا
قاتل نے خوف کھاکر خنجر نہیں چلایا

بڑھ کر یہ زخمِ دل کے ناسور بن گئے ہیں
سمجھا تھا جس کو اپنا وہ ہوگیا پرایا

مغموم یہ فضا ہے رکنے لگی ہیں سانسیں
دم آگیا لبوں پر اُس پر بھی وہ نہ آیا

فرقت میں اسکی یارو دل کو سکوں نہیں ہے
اِس غم کی آگ نے تو زندہ مجھے جلایا

ارمان دل میں لے کر اب تک بھٹک رہا ہوں
ملتا نہیں ہے امجدؔ زلفوں کا کوئی سایا





ساقی تری نگاہ نے کیا کام کردیا
مئے تو نہ ملی نہیں مجھے بدنام کردیا

اچھا ہوا کے وقت نے یہ کام کردیا
ہم کو رہینِ گردشِ ایام کردیا

اُن کی نگاہِ ناز کے انداز دیکھیئے
دیوانہ کردیا ہمیں بدنام کردیا

پوشیدہ راز تھا جو ہر اک کی نگاہ سے
تو نے زمانے بھر میں اُسے عام کردیا

اک رازداں نے کردیا احسان اسطرح
ثابت ہمارے قتل کا الزام کردیا

امجد کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں
آیا نہ ہاتھ کچھ بھی تو بدنام کردیا





انہیں پھر سے آرام آنے لگا ہے — زباں پر مرا نام آنے لگا ہے

محبت ہے اُن کی عنایت ہے انکی — بلاوا سرِ شام آنے لگا ہے

نگاہیں جو ساقی سے ملنے لگی ہیں — تو گردش میں پھر جام آنے لگا ہے

بظاہر ہے دُوری حقیقت الگ ہے — کہ پھر وہ سرِ شام آنے لگا ہے

بلا میکشی کے چلے میکدے سے — کوئی ہو کے بدنام آنے لگا ہے

بہت ناز تھا حُسن پر اپنے جسکو — وہی ہو کے بے دام آنے لگا ہے

کسی کو لگی فکر ہے لوٹنے کی — کسی کے کوئی کام آنے لگا ہے





بتاؤ کہاں آج امن و اماں ہے — کہیں خون ہے آگ ہے اور دھواں ہے

یہ پُر خار رستوں سے تنگ آ گئے ہیں — خدا جانے منزل ہماری کہاں ہے

بھٹکنے کی مجھکو ضرورت نہیں ہے — میرا آسرا بس ترا آستاں ہے

جُدا ہو رہا ہے مرا دل بھی مجھ سے — میری زندگی میں سکوں اب کہاں ہے

ترے وعدے جھوٹے قسم بھی ہے جھوٹی — ہو تکمیل ان کی فقط اک گماں ہے

تُو چاہے اگر تو بتا دوں تجھے میں — کہ پردے میں دل کے جو درد نہاں ہے

میں رہ جاؤں تشنہ یہ ممکن نہیں ہے — مرے سر پہ ہر وقت پیرِ مغاں ہے

بھروسہ پہ تیرے ہی امجد ہے زندہ

سوا تیرے اس کا سہارا کہاں ہے





یادوں سے تیری دل کو بہلانے لگے ہیں اب
ہر موڑ پہ اپنے کو، سمجھانے لگے ہیں اب

تعریف کروں کیا میں، بدلے ہوئے وقتوں کی
پہلو میں جو رہتے تھے، انجانے لگے ہیں اب

جو دور تھے وہ ہم سے بے چین سے لگتے تھے
آئے جو قریب اپنے، شرمانے لگے ہیں اب

ساقی تری چاہت نے گرویدہ کیا ہم کو
اس پر سے یہ بادل بھی، بہکانے لگے ہیں اب

جو دل پہ گزرتی ہے کیا خاک بتائیں گے
اوڑھے ہوئے گھونگھٹ وہ شرمانے لگے ہیں اب

آیا جو خیال ان کو امجد کی تباہی کا
الجھی ہوئی زلفوں کو سلجھانے لگے ہیں اب





ابھی جاگتا تھا ابھی سو گیا ہے
عجب زندگی کا سفر ہو گیا ہے

الٰہی بتا تو یہ کیا ماجرا ہے
جسے ڈھونڈتا ہوں وہی کھو گیا ہے

لکیریں ہتھیلی کی اب مٹ چکی ہیں
جو ہونا تھا آخر وہی ہو گیا ہے

تقاضے محبت کے دھیمے پڑے ہیں
مقدر کو اپنے کوئی رو گیا ہے

خموشی کا مطلب میں سمجھوں گا کیسے
سنا ہے کہ امجد کا دل کھو گیا ہے





ولولے جب کبھی دل میں آتے ہیں
مجھ سے مل کر وہ گُل کھِلاتے ہیں

اُن کا اندازِ گفتگو ایسا
بہتے چشمے بھی ٹھیر جاتے ہیں

پیار کی یہ بھی ہے ادا شاید
روٹھ کر وہ جو مُسکراتے ہیں

ناگ پالے ہوئے وہ شانوں پر
ہوش ہر ایک کے اڑاتے ہیں

مشغلہ ہے یہی نشیمن ہم
خود بناتے ہیں خود جلاتے ہیں

میکدے میں سکون ملتا ہے
روز و شب ہم وہیں پہ جاتے ہیں

غم سے رشتہ ہے اس قدر امجد
چوٹ کھا کر بھی مسکراتے ہیں





اک قیامت تھا، خموشی کا فغاں ہو جانا
راس آیا، میرے اشکوں کو زباں ہو جانا

زندگی کے سبھی غم، دل سے نکل جائیں گے
"تم ذرا اور، قریبِ رگِ جاں ہو جانا"

دردمندانِ محبت کے لئے آفت ہے
رازِ دل سارے، زمانے پہ عیاں ہو جانا

بیقراری محبت کو سکوں دیتا ہے
میری جانب کبھی کبھی تیرا نگراں ہو جانا

حوصلہ رکھ کے چلو منزلِ جاناں کی طرف
کوئی مشکل نہیں، ہمت کا جواں ہو جانا

چاہتا ہوں غمِ جاناں کی وہ تاثیر امجدؔ
خون بن کر میری رگ رگ میں رواں ہو جانا





میری زندگی کا یہ کیسا سفر ہے
غم و رنج میں ڈوبی شام و سحر ہے

ہمارا زمانہ عجب موڑ پہ ہے
بڑا ہی کٹھن ہے، بڑا پُر خطر ہے

بھری بزم میں جس نے پہچانا مجھکو
نہ جانے یہ کس کی، دُعا کا اثر ہے

ذرا مُسکرا کر ادھر دیکھ لیتے
کہ قربان دل ہے یہ قرباں جگر ہے

بھٹکتا چلا ہے ہر اک جا پہ انساں
نہ تو کوئی منزل" نہ تو راہبر ہے

نظر کیا نظر ہے، نظر کچھ نہ آیا
بھلی بھی نظر ہے، بُری بھی نظر ہے

کھنچا آرہا ہے، ہر اک سوئے امجدؔ
یہ انساں ہے کیسا یہ کیا جادوگر ہے





نئے نئے لئے جاتے ہیں امتحاں ہم سے
وہ آج تک ہیں، اسی طرح بدگماں ہم سے

ہمارے خون سے ہے رنگین گلستاں لیکن
نہ جانے کیوں ہیں، خفا اہلِ گلستاں ہم سے

یہی ہے سچ کہ شرافت سے مہر بہ لب ہیں
چھپا ہوا تو نہیں، حالِ دوستاں ہم سے

ہے اس میں سازشِ اہلِ چمن ضرور کوئی
مذاق کرنے لگی ہیں، جو بجلیاں ہم سے

نہیں ہوا جنھیں احساس آج تک غم کا
وہ کیا سنیں گے بھلا، غم کی داستاں ہم سے

سکوں سے باغ میں کیا زندگی گذاریں گے
مخالفت پہ ہے آمادہ باغباں ہم سے

شکایتوں کا محل اب کہاں رہا امجدؔ
کسی کے قرب نے جب چھین لی زباں ہم سے





کوئی خوابوں میں آرہا ہے ابھی
دورِ ماضی ستا رہا ہے ابھی

ترکِ اُلفت کو ہوگئی مدت
وہ مجھے یاد آرہا ہے ابھی

جس پہ تکیہ تھا زندگانی کا
وہی نظریں بچا رہا ہے ابھی

تیری مرضی پہ دن گذرتے ہیں
تو مجھے کیوں رُلا رہا ہے ابھی

دُور ہوکر مری نگاہوں سے
کوئی نزدیک آرہا ہے ابھی

آدمی ڈر رہا ہے اپنے سے
وقت ایسا کچھ آرہا ہے ابھی

ساری دنیا میں ہوگئی شہرت
کون تہمت لگا رہا ہے ابھی

ہوش میں اب بھی امجد آجاؤ
خوابِ غفلت میں کیا رہا ہے ابھی





زندگی کیا سے کیا ہو گئی غم میں ڈوبی فضا ہو گئی

رُخ سے پردہ ذرا جو ہٹا اک قیامت بپا ہو گئی

سانس لینا بھی مشکل ہے اب آہ بھی بے وفا ہو گئی

ضبطِ غم بھی تو جاتا رہا موت ہی آسرا ہو گئی

آپ کی ایک نیچی نظر درد کی اک دوا ہو گئی

دے کے آواز کیا فائدہ جب دعا نارسا ہو گئی

بے قصور آپ ٹھیرے مگر مفت مجھکو سزا ہو گئی

کس لیے آپ آتے نہیں مجھ سے کوئی خطا ہو گئی

آج امجد کھنچے دار پر
یہ بھی اُن کی عطا ہو گئی





آج وہ دل کے، طلبگار ہوئے ہیں شاید
عمر کے ساتھ ہی ہشیار ہوئے ہیں شاید

ڈگمگاتے ہیں قدم اور ہے مخمور نظر
حُسن سے اپنے خبردار ہوئے ہیں شاید

سہمی سہمی سی نظر آتی ہے گلشن کی فضاء
پھول کانٹوں میں، گرفتار ہوئے ہیں شاید

اُن کی مخمور نگاہوں کا اثر ہے ہم پر
آج ہم بے پئے سرشار ہوئے ہیں شاید

اُن سے دیکھا نہ گیا غم کا یہ عالم اپنا
آج دانستہ وہ، غمخوار ہوئے ہیں شاید

محفلِ حُسن کی رنگت سے ہے ظاہر امجدؔ
اک نئی زیست کے آثار ہوئے ہیں شاید





اَوج پر اب میکدہ ہے شام سے
ہو بھی جائیں سیر اک ایک جام سے

ساقیا تو رحم کر اِس رند پر
زندگی قائم ہے تیرے نام سے

جانِ جاں، جانِ نظر جانِ حیا
سب کے سب قائم ہیں ان کے نام سے

رقص اب کرنے لگی ہیں چاہتیں
دل مگر ڈرتا ہے کیوں انجام سے

اُن سے روداد سحر کیا کہہ گئی
رنگ کیوں بدلا ہوا ہے شام سے

ہم نے اُن کو دل دیا اس آس میں
زندگی گذرے گی اب آرام سے

آج امجد کو ہے تجھ سے واسطہ
کٹ رہی ہے زندگی آرام سے





تمہارا جو ہم پہ کرم ہوگیا ہے
تو جینا ہمارا ستم ہوگیا ہے

سمجھ میں مجھے کچھ بھی آیا نہ اب تک
مجھی پہ کیوں اتنا کرم ہوگیا ہے

بھری بزم میں اُس نے پہچانا مجھکو
اچانک یہ اُس کا کرم ہوگیا ہے

اگر تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے
کیوں دامن تمہارا یہ نم ہوگیا ہے

وہ آئیں مرے پاس ممکن نہیں ہے
کہ غیروں پہ اُن کا کرم ہوگیا ہے

کہاں سر جھکاؤں یہی سوچتا ہوں
کہ دل میرا دیر و حرم ہوگیا ہے

شبِ ہجر کی یہ عنایت ہے امجد
کہ اب دردِ دل تھوڑا کم ہوگیا ہے





کون جانے یہ کیا حادثہ ہوگیا
اپنا غیروں سے اب واسطہ ہوگیا

بے کلی روز و شب مجھکو رہنے لگی
غم کا قائم سدا سلسلہ ہوگیا

موت نے جونہی اپنا لیا جسم کو
زیست کا آخری فیصلہ ہوگیا

بات بن بن کے ہر دم بگڑتی گئی
میرا ہر اک قدم مرحلہ ہوگیا

حکم صادر ہوا قتل کا آخری
بس وفا کا یہی کچھ صلہ ہوگیا

چھٹ گئے کارواں سے تو منزل کہاں
جو مقدر میں تھا وہ ہوا ہوگیا

اب تو امجدؔ بھی جانے لگے میکدہ
روز و شب کا یہی مشغلہ ہوگیا





گردش میں ہے زمانہ بھی چرخِ کہن کے ساتھ
ملتا ہے جامِ عیش بھی رنج و محن کے ساتھ

چلتا ہے میرے ساتھ کوئی بانکپن کے ساتھ
لگتا ہے چل رہا ہوں، کسی گلبدن کے ساتھ

پچھلے برس بہار بھی وہ کیا بہار تھی
اب کے بہار آئی ہے خونیں بدن کے ساتھ

تیری نظر نے مجھکو عطا کی ہے زندگی
یہ زندگی ملی بھی تو لاکھوں جتن کے ساتھ

کیا آپ آگئے ہیں کہ مرجھا گئے ہیں پھول
انصاف کچھ تو کیجئے ہمارے چمن کے ساتھ

شعر و سخن کی راہ تو امجد کو مل گئی
شامل جو ہو گیا ہے وہ بزمِ سخن کیساتھ



چل رہے ہیں پھر سے ہم اُس بے وفا کے ساتھ ساتھ
زندگی کٹنے لگی، صبر و رضا کے ساتھ ساتھ

سازِ ہستی جب شکستہ ہو تو پھر نغمے کہاں
چل بسے سب ٹوٹنے کی، اک صدا کے ساتھ ساتھ

جب مری پرواز نے رُخ کر لیا سوئے چمن
اک بگولا سا اٹھا، زورِ ہوا کے ساتھ ساتھ

پارسا کی شکل اور اعمال میں نیرنگیاں
کھیلتے ہو تم مگر، قہرِ خدا کے ساتھ ساتھ

گر نہ ہو اخلاص امجدؔ پھر قبولیت کہاں
ہاتھ اُٹھتے تو ہیں، اندازِ دُعا کے ساتھ ساتھ





ہے منزل کی جانب رواں کارواں
سکوں ہوگا، منزل کا پاکر نشاں

کہیں غبار تو کہیں ہے دھنواں
چمن میں ہے باقی، خزاں کا نشاں

وفائیں ہماری ہیں پھیلی ہوئیں
مگر جانے پایا نہ ان کا گماں

یہ رازِ محبت بجا ہے مگر
رہے گا بھلا یہ کہاں تک نہاں

ہمیں اپنی منزل ملی ہی نہیں
بھٹکتے رہے ہم، جہاں در جہاں

نظر آن سے امجد ملی تھی کبھی
مگر بن گئے وہ مری داستاں





آپ آئے تو، دل کو سہارا ملا
ناؤ کو، بحرِ غم کا کنارا مِلا

ناز سے جس طرف وہ گذرتے رہے
ہر اچٹتی نظر کو، نظارا مِلا

گِھر گئے جو نہی ہم غم کے طوفان میں
فیضِ امواج تھا، جو کنارا مِلا

کامرانی پہ اپنی نہ ہو ناز کیوں
ہم کو ہر پَل جو تم سا پیارا مِلا

جس کو اغیار گردوں پہ ڈھونڈا کئے
اِس زمیں پر ہمیں، وہ ستارا مِلا

بحرِ الفت میں کوشش بہت ہم نے کی
لیکن اس کا نہ ہم کو کنارا مِلا

جانے کیا شہر ہے جانے کیا لوگ ہیں
ہر قدم پر مجھے، غم کا مارا مِلا

جب بھی امجدؔ چلے سوئے منزل چلے
منزلوں کا نہ پھر بھی اشارا مِلا





مانو جو اگر میری اک بار بُلا لینا
آنسو جو میرے ٹپکیں دامن میں چھپا لینا

ارباب وفا کا تو اب رنگ نرالا ہے
دشمن بھی جو مل جائے تم اپنا بنا لینا

اپنی تو یہ خواہش ہے اور بات بھی یہ سچ ہے
مجرم نہ ہو گر کوئی کو پھانسی سے بچا لینا

سب ملتے ہیں ملنے کو انسان نہیں ملتا
امید ہی ملنے کی دنیا سے اٹھا لینا

حسرت ہے اگر امجد جینے کی یہاں کچھ دن
وہ پاس جو آجائیں آنچل کی ہوا لینا





نہ سوچا نہ سمجھا، ملاقات کرلی
وہ تھا اجنبی ہی مگر بات کرلی

گذارا کہیں دن کہیں رات کرلی
تصور میں ان سے ملاقات کرلی

فریبِ زمانہ سے بچنے نہ پائے
اسی میں خراب اپنی اوقات کرلی

جہاں دل دُکھایا ہے ناکامیوں نے
وہاں ہم نے اشکوں کی برسات کرلی

کبھی دل کے ہاتھوں سے مجبور ہوکر
خود اپنی ہی توہینِ جذبات کرلی

زباں سے ادا ہو نہ پائی تمنّا
نظر نے نظر سے مگر بات کرلی

رہا انتظار ان کا انجمؔ ہمیشہ
بسر میں نے یوں عمر کی رات کرلی





مجھے یاد اُسکی ستانے لگی ہے
اُمیدوں کی دنیا بسانے لگی ہے

وہ اک چوٹ کہتے ہیں جسکو محبّت
مقدر ہمارا جگانے لگی ہے

ترے شیریں لب کا اثر ہے یہ شاید
کہ کوئل بھی اب خوب گانے لگی ہے

عجب میکدہ ہے عجب میکشی ہے
کہ بھولی ہوئی یاد آنے لگی ہے

نظر سے ہیں گذرے کچھ ایسے مناظر
شبِ ہجر بھی تلملانے لگی ہے

کٹی عمر ساری جدائی میں امجد
خبر بھی نہ اب اُسکی آنے لگی ہے





یہ حُسنِ سراپا غضب ڈھا رہا ہے
مرے دل کی دھڑکن کو اُکسا رہا ہے

تمہاری نظر سے تو پی لی ہے میں نے
مگر دل مرا، اور للچا رہا ہے

سہانا ہے موسم، فضا بھی ہے پیاری
یہ کمبخت دل ہے کہ گھبرا رہا ہے

عجب رنگ ہے آج اس میکدے کا
کہ ہاتھوں میں، ساغر بھی تھرّا رہا ہے

گھٹا آج کالی جو چھائی ہوئی ہے
ہر اک جام پر جام چھلکا رہا ہے

زمانے کا کیسے بھروسہ کریں ہم
زمانہ حقیقت کو جھٹلا رہا ہے

عجب رعب ہے حُسن کا اُن کے امجدؔ
کہ ہر اک کا دل آج گھبرا رہا ہے





اب خزاں آئے یا بہار آئے
میرے دل کو نہ کر قرار آئے

اتفاقاً جو تم کو پیار آئے
زندگی پہ مری نکھار آئے

جسطرف دیکھو ہُو کا عالم ہے
دیکھنا کس طرف بہار آئے

اسقدر آپ نے فریب دیئے
کیسے وعدوں پہ اعتبار آئے

خالی خالی ہے جام و مینا بھی
اُنکی آنکھوں کا کچھ خمار آئے

اک خوشی ہے کہ دُور رہتی ہے
غم مگر دل میں بار بار آئے

ہے یہی آس آج تک امجد
میرے دل میں کبھی بہار آئے



چمن جب سے چھوٹا ، بیاباں مِلا ہے
کہاں کا نگہباں کہاں پر مِلا ہے

ہمارے لئے خار و خس بھی نہیں ہے
جو ہیں غیر اُن کو گلستاں مِلا ہے

چلو کوئی سمجھا تو ہے میرے غم کو
مرے درد کا آج درماں مِلا ہے

خیال اُس کو اپنی جفاؤں کا ہوگا
کیئے پر وہ اپنے پشیماں مِلا ہے

یہ کِس شہر میں آج ہم آ گئے ہیں
نہ ہوشیار کوئی ، نہ ناداں مِلا ہے

خلش جیسی شئے جب سے پائی ہے دل نے
مری زیست کو ، ایک عنواں مِلا ہے

پرکھتا ہو امجدؔ بصد شوق آؤ
میرا ظرف ، تا حدِّ امکاں مِلا ہے



زمیں سے کہیں، آسماں بھی ملا ہے
تمہاری جفا بھی، ہمارا صلہ ہے

یہ کس کے خیالوں میں گُم ہو گیا ہوں
مسلّط میری جاں یہ کیسی بلا ہے

زمانے نے جس دن سے ٹُھکرا دیا ہے
تمہاری ہی زلفوں کا اک آسرا ہے

تڑپ دل کی کیوں آج بڑھنے لگی ہے
یہ کس نے پکارا، یہ کس کی صدا ہے

بُلا کر ہمیں ان کا انجان رہنا
کوئی یہ بتلائے یہ کیا ماجرا ہے

جو یاں تشنگی روز بٹتی ہے ساقی
وہی میکدہ تو تیرا میکدہ ہے

بکھرتے ہوئے راستوں ہی سے امجد
میرا کارواں سوئے منزل چلا ہے



جہاں تک تمہاری جفائیں رہینگی
وہاں تک ہماری وفائیں رہینگی

گزرتی ہے ہم پر یہ ہم جانتے ہیں
ہمیشہ تمہاری جفائیں رہینگی

کریں شکوہ اب ہم کہاں اور کسی سے
مقدر میں اپنے بلائیں رہینگی

بنایا ہے تم نے محبت کا مجرم
مقدر میں اپنے سزائیں رہینگی

تمہاری نظر کا اثر ہے یہ شائد
تصور میں بس اب ادائیں رہینگی

اے امجد مرے حوصلے ہی بڑھیں گے
ہر اک گام پر جب بلائیں رہینگی

میری نظریں جب نگہباں ہو گئیں
اُن کی زُلفیں خود پریشاں ہو گئیں

دیکھ کر میرے وفورِ شوق کو
حسرتیں دست و گریباں ہو گئیں

ہائے یہ کیسا تماشہ ہو گیا
اُن کی نظریں اُن پہ قرباں ہو گئیں

وقتِ آخر آپ جوں ہی آ گئے
موت کی گھڑیاں بھی آساں ہو گئیں

کچھ سکوں امجدؔ میسر آ گیا
مشکلیں جب اپنی آساں ہو گئیں



اسقدر بڑھ گئے ستم ان کے
ہم سمجھنے لگے کرم ان کے

ہم سے وہ لاکھ ہوں برے لیکن
وہ ہمارے ہیں اور ہم ان کے

پھر برسنے لگی ہے کالی گھٹا
دیکھ کر جلوے دمبدم ان کے

دل نے اتنے فریب کھائے ہیں
یاد آنے لگے کرم ان کے

خیر ہو آج باغباں تیری
پھر سے گلشن میں ہیں قدم ان کے

جن کے محلوں میں دھوم رہتی تھی
سامنے آ گئے بھرم ان کے

آج الجھا رہے ہیں اختر کو
پھر سے گیسو کے پیچ و خم ان کے





حرفِ غم نہ سناؤ اُس کو
شور سے نہ ستاؤ اُس کو

رنگِ محفل نہ بکھر جائے کہیں
پاس اپنے نہ بلاؤ اُس کو

دشت میں گھومتا پھرتا ہے کوئی
راہ سیدھی تو دکھاؤ اُس کو

ہم کو ہاں یہ کرم کرنا ہے
غم کی روداد سناؤ اُس کو

پیاس صدیوں کی لئے آیا ہے
جام پر جام پلاؤ اُس کو

نور کا چہرے سے گم ہو جائے
سامنے میرے نہ لاؤ اُس کو

آج مجھ کو ملا ہے آرام
سو رہا ہے نہ اٹھاؤ اُس کو





کیوں آپ یہ کہتے ہیں کہ انکار ہے ہم سے
چہرہ تو بتاتا ہے کہ بیزار ہے ہم سے

ہر بات پہ کیوں اک نئی تکرار ہے ہم سے
در پردہ مگر دیکھئے اقرار ہے ہم سے

ہم میں تو برائی نظر آتی نہیں کوئی
کیا بات ہے ہر شخص جو بیزار ہے ہم سے

جس بزم میں بھی آئے ہے بزم کی رونق
ویران بیابان بھی گلزار ہے ہم سے

اک ہم ہی تو ہیں حق پہ جو چڑھ جاتے ہیں سولی
زندہ ابھی رسم رسن و دار ہے ہم سے

اس دور کو اقبال کی ضرورت ہے مگر کیوں
یہ دور ہی اب برسرِ پیکار ہے ہم سے





ستمگر ہے وہ کوئی قاتل نہیں ہے
کیا کس نے غم دل کا حاصل نہیں ہے

برستی رہی ہے سدا اُسکی رحمت
خُدا اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے

گنہگار ہوں بخش دینا خدایا
میری بندگی کوئی کامل نہیں ہے

تجھے چاہتا ہی رہے گا مرا دِل
وہ محفل میں غیروں کی شامل نہیں ہے

نہ جانے زمانے کو کیا ہوگیا ہے
کوئی بھی مرے اب مقابل نہیں ہے

ہر کس اپنی منزل کو پانے لگا ہے
مگر کوئی امجد کی منزل نہیں ہے





سازش بغیر کام ہی نکلا نہیں ہے آج
اس طرح اپنا نام بھی ہوتا نہیں ہے آج

اب ہائے خاک آئیں گے واپس ہمارے دن
پچھلا جو دور تھا کبھی دیکھا نہیں ہے آج

اے برق تیری چاہ میں پھر سے سجا دیا
کیوں پھر بھی آشیاں مرا جلتا نہیں ہے آج

کس کی لگن سے آج حرارت ہے دوستو
کیا بات ہے کہ خوں میرا ٹھنڈا نہیں ہے آج

میں بڑھ رہا ہوں، عزم کی مشعل کے ساتھ ساتھ
رہزن بھی گر ہو راہ میں کھٹکا نہیں ہے آج

امجد کسی کی مست نگاہوں کا ہے اثر
کیا بات ہے کہ جام بھی چھلکا نہیں ہے آج





رہیں ہوش کیونکر غموں میں ٹھکانے
بڑا حوصلہ چاہیئے مسکرانے

سکوں سے ہوں میں عالم نزع میں بھی
وہ آکر کھڑے ہیں جو میرے سرہانے

بچا ہے نہ کچھ بھی رہ عاشقی میں
متاع محبت کہاں ہے لٹانے

بس اک یاد ہے جس پہ زندہ ہیں اب تک
نہ آئیں گے پھر سے وہ اگلے زمانے

ارادہ جو بجلی کا دیکھا ہے ہم نے
چلے خود ہی اٹھ کر نشیمن جلانے

عجب حال میں زیست تیری ہے اختر
بنائے ہیں لوگوں نے کیا کیا فسانے





ترا فیصلہ بھی عجب فیصلہ ہے

جو ہے بے گناہ دار پر کھنچ گیا ہے

یہ کیسے کہوں میں کہ تیری جفا ہے

کیا تھا جو میں نے یہ اسکی سزا ہے

بھری بزم سے میں اٹھایا گیا ہوں

یہ تیرا کرم ہے یہ تیری عطا ہے

بڑے پیار سے نام لے کر پکارا

بڑی مشکلوں سے یہ موقعہ ملا ہے

ستاتی نہیں اب تری یاد مجھکو

کہ دل مرا غم کا مرکز بنا ہے

چمن کے نگہباں نہ جانے کہاں ہیں

اجڑ کر چمن اب تو جنگل بنا ہے

تغافل نے اُس کے کہیں کا نہ رکھا

یہ امجد تیرا دل، ترا حوصلہ ہے





غم پہ اُن کے سارے کرم ہو گئے
وقفِ رنج و الم صرف ہم ہو گئے

جو تباہی ہوئی ہے وہ مت پوچھئے
جو کرم تھے تمہارے ستم ہو گئے

پہلے ہر گام پر تھی نوازش تری
آج الطاف کیوں اتنے کم ہو گئے

گلستاں میں قیامت بپا ہو گئی
آج کانٹوں میں غنچے جو ضم ہو گئے

اپنی منزل سے مایوس جب ہم ہوئے
راہبر تیرے نقشِ قدم ہو گئے

ساری دنیا کی خوشیاں مبارک تمہیں
ہم تو محرومِ درد و الم ہو گئے

آج امجد مزہ خوب پینے میں ہے
ساتھ جب ناصحِ محترم ہو گئے





ہم اب آتشِ غم میں پکنے لگے ہیں
نگاہوں میں شعلے بھڑکنے لگے ہیں

مقدر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
کہ ہم قربِ منزل بھٹکنے لگے ہیں

بڑی تشنگی تھی بڑی بے کسی تھی
نظر سے پلائی بہکنے لگے ہیں

سجائی تھی اُن کی ہی خاطر یہ محفل
نگاہوں میں ہم ہی کھٹکنے لگے ہیں

ذرا ہم کو گلچیں بتا کون آیا
چمن میں عنادل چہکنے لگے ہیں

نہ پرساں کوئی ہے نہ شنوائی کوئی
کہ کس در پہ ہم سر پٹکنے لگے ہیں

یہ کیا بے رُخی ہے یہ کیا بے کلی ہے
وہ دامن کو اپنے جھٹکنے لگے ہیں

چلو پھر سے تازہ ہوئے زخم اپنے
نمک زخم پر وہ چھڑکنے لگے ہیں

ملا یہ صلہ پیار کا ہم کو انجمؔ
نگاہوں میں سب کی کھٹکنے لگے ہیں





خدا جانے یہ دل کس کا حرم ہے
ترا اک جلوہ اس میں دمبدم ہے

جہاں بھی آپ کا نقشِ قدم ہے
وہاں اپنا سرِ تسلیم خم ہے

کہوں کیونکر ہُوا دیدار تیرا
نظر میری ترے جلوہ میں ضم ہے

نظر ہو تو پڑھو چہرہ ہمارا
کہ دل کا حال چہرے پر رقم ہے

بہار اب کے عجب آئی چمن میں
ہنسی میں بھی گلوں کی آنکھ نم ہے

نہیں پروا کسی کے بھی کرم کی
ہمارے حال پر اُس کا کرم ہے

محبت جس کو کہتا ہے زمانہ
ہزاروں غم کا امجد ایک غم ہے





کچھ مجھکو سُنانا تھا کچھ اُن کو سُنانا تھا
دونوں کی زباں پہ ہی رنگیں فسانا تھا

انصاف کے رستہ پر ہر حال میں چلنے کا
مقصد تری رحمت کے سائے میں در آنا تھا

غمگیں ہوں تجھے میں نے جس وقت سے دیکھا ہے
گو تجھ سے مرا اُس وقت آنا تھا نہ جانا تھا

منزل ہیں فنا کی میں آرام و سکوں سے ہوں
یہ حسرت مری تجھ سے ملنے کا بہانا تھا

ان سارے حسینوں میں ممتاز نہ ہوتا کیوں
جب حُسن ترا ان میں بے مثل و یگانا تھا

تھا جو بھی مقدر میں دامن میں وہی کچھ ہے
جو مجھکو یہاں آکر پانا یا کمانا تھا

یہ حرص و ہوس انجم نادان میں داخل ہے
اخلاص کے رستے پہ چلنے کو چلانا تھا





دلوں کی مسافت، مٹاتے چلے ہیں
جہاں کو ہم اپنا، بناتے چلے ہیں

محبت کو دل میں بساتے چلے ہیں
محبت کے ہم گیت، گاتے چلے ہیں

کہیں مفت میں برق پائے نہ شہرت
نشیمن کو اپنے، جلاتے چلے ہیں

نہ منزل کی پروا نہ ہے فکرِ دنیا
ہر اک گام پہ، مسکراتے چلے ہیں

بھرم ہم کو مقصود تھا میکدے کا
نہ پی کر بھی ہم، لڑکھڑاتے چلے ہیں

بلانے بلانے پہ جب تم نہ آئے
تصور میں تم کو، بلاتے چلے ہیں

تصور میں پینے کا، کیا ہوگا امجد
نگاہوں سے جب وہ، پلاتے چلے ہیں





یہ زندگی غموں میں، یوں ہی بسر نہ ہوگی
دامن ہمارا بھیگے، آنکھ ان کی تر نہ ہوگی

ظلم و ستم ہم اُس کے سہتے رہے ہمیشہ
اُس بے وفا کو پھر بھی، اِسکی خبر نہ ہوگی

تنگ آ کے زندگی سے مانگی دُعا اجل کی
میری دُعا تو یا رب، اب بے اثر نہ ہوگی

یادوں کو تیری لے کر بہلا رہا ہوں دل کو
کیا میری شامِ غم کی، اب بھی سحر نہ ہوگی

دل دے کے تُو نے اپنا، دیوانہ کر دیا ہے
جو بھی گزر رہی ہے، اسکی خبر نہ ہوگی

ہم مَر رہے ہیں دیکھو، ہم مٹ رہے ہیں دیکھو
چشمِ کرم تمہاری، کیا چارہ گر نہ ہوگی

روداد غم سُنانے امجد بھی چل پڑا ہے
لب پہ دُعا ہے اُسکے، وہ بے اثر نہ ہوگی



○

اک بے کلی سی چھائی ہے دل بے قرار ہے
آنکھوں پہ پھر کسی کے مجھے انتظار ہے

باقی نہیں ہے تو تو خزاں میں شمار ہے
بس تو مری بہار ہے جانِ بہار ہے

رسوا کیا ذلیل کیا اس نے دوستو
اہلِ نظر کے سامنے اب کیا وقار ہے

اپنا پرایا ہو گیا سب غیر ہو گئے
اب کے برس چمن میں یہ کیسی بہار ہے

اس مہ جبیں نے مڑ کے جو دیکھا ہے ایک بار
ٹکڑے جگر کے ہو گئے دل بے قرار ہے

بے اختیار کر دیا چاہت نے آپ کی
عہدِ وفا نبھانے کا کب اختیار ہے

کس کو بتائیں ایسا کریں کس پہ چھوڑیں
اب وہ زمانہ ہے نہ وہ باقی وقار ہے

واقف ہے امجد آپ کی ہر ایک چال سے
جھوٹا سلوک جھوٹی ادا جھوٹا پیار ہے

○



آیا خیالِ یار تو آنسو نکل پڑے
ہم گلستاں کو چھوڑ کے بیاباں کو چل پڑے

شب بھر کسی کی یاد ستاتی رہی ہمیں
آہٹ ذرا سی پائی تو اک دم اچھل پڑے

نیت کے ساتھ ہے سود و زیاں یہاں
سلگائی تو تھی آگ مگر خود ہی جل پڑے

اندازِ فکر ہوتا ہے سب کا الگ الگ
سوچا جنہوں نے جیسا وہ ویسا ہی چل پڑے

بربادیوں کے بعد اب آنے لگا ہے ہوش
ہر چیز جب کہ لٹ گئی اب ہم سنبھل پڑے

آنکھیں ہیں سرخ غضبناک ہے جبیں
تیوری پہ آج ان کی قیامت کے بل پڑے

ہمت کی داد دیجئے امجد کو آج پھر
آنکھوں میں سرخ ڈورے کہاں سے نکل پڑے





چلو خواب پھر ہم کو آنے لگے ہیں
جو ہے بات دل میں بتانے لگے ہیں

ہمیں ہر قدم آزمانے لگے ہیں
نگاہوں سے ہم کو گرانے لگے ہیں

نظر بھر کے اک بار دیکھا تھا اُن کو
وہ ہر وقت احساں جتانے لگے ہیں

پلا کر نظر سے وہ جامِ محبت
سلیقے سے ہم کو گرانے لگے ہیں

شبِ وصل کی یاد آئی ہے جب سے
مقدر پہ آنسو بہانے لگے ہیں

زمانے کی ٹھوکر کا ہے یہ تصدق
ذرا ہوش اپنے ٹھکانے لگے ہیں

میرے خواب کی ہے یہ تعبیر امجد
کھلی آنکھ وہ پاس آنے لگے ہیں





اک ہجومِ غم سے ہم آغوش ہیں
یادِ جاناں دل میں ہے بے ہوش ہیں

آپ کے ساغر سے ہم کو کیا غرض
پی کے نظروں سے ہی ہم مدہوش ہیں

تلخیٔ مے بن گئی آبِ حیات
پی کے سب مدہوش ہیں مدہوش ہیں

حسن کا کچھ رعب ایسا ہو گیا
دیکھ کر دانستہ ہم خاموش ہیں

آپ کی چاہت میں حد سے بڑھ گئے
اسلئے ہم آج تک پُرجوش ہیں

رُعب کچھ چھایا ہے ایسا حُسن کا
کون کہتا ہے ہم باہوش ہیں





اُسے ہم نے دیکھا، تو پیار آ گیا
نہ جانے کہاں سے قرار آ گیا
نگاہیں ملیں اور قرار آ گیا
چمن میں ہر اک سُو نکھار آ گیا
کہا جس نے جھوٹ اُسکو عزت ملی
کہا جس نے سچ، سُوئے دار آ گیا
مسرت نے آواز دی تھی ہمیں
خیالِ غمِ روزگار آ گیا
عدو کی شرارت کا ہے یہ اثر
دلوں پر ہر اک کے غبار آ گیا
ابھی ہم خزاں سے ملے بھی نہ تھے
کوئی ساتھ لے کر بہار آ گیا
گلستاں سے امجد کہاں جائیں ہم
کہ پھر عہدِ برق و شرار آ گیا





نشۂ غم اُتر نہ جائے کہیں
شبِ فرقت گذر نہ جائے کہیں

دیکھ کر گلستاں کی پامالی
سارا گلشن بکھر نہ جائے کہیں

اتنا ظلم و ستم نہ کر ناداں
تو بھی دل سے اتر نہ جائے کہیں

اتنا تنہا نہ کیجئے دِل کو
اپنے سائے سے ڈر نہ جائے کہیں

مجھکو رسوائیوں کا خوف نہیں
یہ بَلا اُس کے سر نہ جائے کہیں

فصلِ گُل کو اِدھر جو آنا ہو
اُس کے ساتھ آئے ورنہ جائے کہیں

دوست کے انتظار میں امجدؔ
زخمِ دل اپنا بھر نہ جائے کہیں





اٹھے ہاتھ جب بھی دُعا کے لئے
ہر آئی' بلا آپ ٹلنے لگی
سنبھالو ذرا اپنے آنچل کو تم
ہوا پیار کی' تیز چلنے لگی
چھپے کس طرح سے تپش حُسن کی
کہ لاوے کی صورت' اُبلنے لگی
زمانے کے تیور بدلتے گئے
محبت کی جب بات چلنے لگی
عیاں صبحِ پیری کے آثار ہیں
جوانی کی' اب رات ڈھلنے لگی

سنبھالا جو امجد کو اللہ نے
تو پھر اُس کی حالت سنبھلنے لگی





پاس اپنے بھی چشمِ نم رکھنا
دل میں ارمان کم سے کم رکھنا

دوسروں کا مقام کچھ بھی ہو
آپ اپنا، ذرا بھرم رکھنا

ہر جگہ معتبر نہیں ہوتی
دیکھکر، ہر جگہ قدم رکھنا

غیر کی بات غیر ہوتی ہے
دُور ہم کو، نہ محترم رکھنا

راز ظاہر نہ ہو زمانے پر
آبرو، میری، چشمِ نم رکھنا

جو بھی ہونا تھا ہوگیا امجدؔ
اب سنبھل کر، ذرا قدم رکھنا





کبھی تو مرے دل کو گرمائیے
کبھی تو محبت سے پیش آئیے
زمانے کی عادت ہے کہنا بُرا
چلے آئیے گا ' چلے آئیے
سدا ہم تو ہیں آپ ہی کے مگر
کبھی وعدہ کرکے نہ کترائیے
مدارج محبت کے ہوتے ہیں کچھ
ابھی سے نہ آپ اِتنا فرمائیے
وہ ہے موم دل ' کوئی پتھر نہیں
تو کیوں اُس سے پھر آپ گھبرائیے
محبت ہے امجدؔ سے گر آپ کو
تو بچ کر ہر اک سے چلے آئیے





کوئی مجھ سے، دُور ہوتا ہی گیا
دِل مرا، رنجور ہوتا ہی گیا

یادِ ماضی اور اُس کی آرزو
دل میرا، مہجور ہوتا ہی گیا

جیسے جیسے راستہ بڑھنے لگا
فاصلہ بھی، دُور ہوتا ہی گیا

تیری نیندیں پہلوئے اغیار میں
زخمِ دل، ناسُور ہوتا ہی گیا

ساری باتیں پھر ادھوری رہ گئیں
دِل مرا مغرور ہوتا ہی گیا

اُس کی آمد سے اب امجد یہ ہُوا
سارا گھر پُر نُور ہوتا ہی گیا





زندگی کا عجیب حال ہے اب
بے خیالی میری خیال ہے اب

یہ ترے عشق کا کمال ہے اب
کچھ خوشی ہے نہ کچھ ملال ہے اب

اپنے ڈھب کا کوئی نہیں ملتا
آدمیت کا اِتنا کال ہے اب

آرزو کیا کریں مسرّت کی
جو مسرّت بھی ہے وبال ہے اب

نہ ملا ایک بھی جواب ان سے
زندگانی خود اک سوال ہے اب

لوگ کیا تھک گئے ہیں جینے سے
دیکھتا ہوں جسے نڈھال ہے اب

کیا ہوں باتیں شباب کی امجد
عمر آمادۂ زوال ہے اب





اُس کا مجھ پر، کوئی احسان نہیں
دل میں باقی 'میرے ارمان نہیں

اُس کی مرضی ہے ملے یا نہ ملے
دل کا کہنا ہے، وہ انجان نہیں

اُس کے ماتھے پہ جو بل اُبھرے ہیں
لب ہوئے بند، مگر دل بھی پریشان نہیں

اُس کی نظروں سے ہے اتنا ظاہر
مجھ سے اس کی کوئی پہچان نہیں

اُس کا ہر درد ہے مرے دل میں
میرے درد کا، درمان نہیں

آپ کا شہر نرالا سا لگا
کیا یہاں کوئی بھی، انسان نہیں

اُس سے ملنے کا ہے ارمان امجدؔ
اِس سے بڑھ کر کوئی ارمان نہیں





اقرار بھی ہُوا کبھی انکار بھی ہُوا
آپس میں ربط ضبط کئی بار بھی ہُوا

کیا کیا نہ اُلجھنیں تھیں مرے ساتھ عشق میں
ہر مرحلہ حیات کا دشوار بھی ہُوا

مدّت کے بعد آپ نے پوچھا جو حالِ دل
مدّت کے بعد دل مرا بیدار بھی ہُوا

دل کے سکون کی تھی بڑی آرزو مگر
دل کا سکون، جان کا آزار بھی ہُوا

دل کو سکوں مِلا نہ نظر مطمئن ہوئی
ہونے کو یوں تو آپ کا دیدار بھی ہُوا!

میرا خیال آیا نہ امجد اُسے کبھی
میں عرضِ حال کر کے گنہگار بھی ہُوا





جب بھی وہ بے نقاب ہوتے ہیں
ہر طرف انقلاب ہوتے ہیں

ظلم جب بے حساب ہوتے ہیں
انقلاب، انقلاب ہوتے ہیں

یہ ہے پہچان اُن کے کوچے کی
لوگ سب لاجواب ہوتے ہیں

جن کے دل میں خدا کا خوف نہیں
وہ جہاں میں خراب ہوتے ہیں

جن کی تعبیر ہی نہیں کوئی
بعض ایسے بھی خواب ہوتے ہیں

کتنے ارمانِ زندگی امجد
مستقل اک عذاب ہوتے ہیں



○

نہیں زندگی کچھ قضا کے سوا
میرے پاس کیا ہے، دُعا کے سوا

فریبِ نظر دینے والے بتا
دیا کیا ہے تُو نے، جفا کے سوا

ہر اک فرد نے مجھکو ٹھکرا دیا
نہیں میرا کوئی خدا کے سوا

زمانہ بہت مہرباں ہی سہی
ملے گا ہمیں کیا، سزا کے سوا

کس اُمید پر دل لگائے کوئی
زمانے میں سب ہے، وفا کے سوا

فضاء زہر آلود ہے ہر جگہ
فقط میکدے کی فضا کے سوا

نہیں کچھ بھی امجد کی تقدیر میں
غم و رنج و آفت، بلا کے سوا

○



اُن کا در کیا حرم ہو گیا
سر زمانے کا خم ہو گیا

جگمگائی چمن کی فضاء
اِن کا آنا ستم ہو گیا

اُس کے پلکوں سے آنسو ڈھلے
میرا دامن جو نم ہو گیا

کیا بھروسہ، ترا زندگی
ساتھی اک اور کم ہو گیا

عشق کا مرحلہ آلاماں
مستقل اک، الم ہو گیا

خستہ حالی میری دیکھکر
پھر سے اُن کا کرم ہو گیا

دیکھ کر امجدؔ اُن کی نظر
خود بخود درد کم ہو گیا





یہی تو محبت کا انجام ہے
مرے لب پہ ہر دم ترا نام ہے

نہ بھولے کوئی آدمی موت کو
یہی زندگانی کا پیغام ہے

ہماری وفا چاہے کچھ بھی سہی
زمانے کی نظروں میں بدنام ہے

مقدر پہ جب سے بھروسہ نہیں
ہر اک اپنی تدبیر ناکام ہے

جفا کی نہیں ان پہ تہمت کوئی
ہماری وفاؤں پہ الزام ہے

ترے بعد اس طرح تنہا ہوں میں
سحر بھی مرے واسطے شام ہے

کسی نے دیا ہے جو امجد مجھے
وہی درد اب دل کا آرام ہے





شرابِ محبت، پلا دینے والے
غمِ عاشقی کا مزہ دینے والے

تجھے دیکھنے کو ترستی ہیں آنکھیں
او سولی پہ مجھ کو چڑھا دینے والے

عجب کرب میں دن گذرتے رہے ہیں
بھری بزم سے، یوں اٹھا دینے والے

نگاہوں میں شوخی، اداؤں میں بجلی
بڑے پارسا ہیں، پلا دینے والے

شب و روز دل کو جلاتے ہیں میرے
وفا کے بھروسے، جفا دینے والے

میرے اشک تم اپنے دامن میں لے لو
یہ شعلے نہیں ہیں، جلا دینے والے

ترے نام پر ہی تو، زندہ ہے امجد
محبت جتا کر، دغا دینے والے





کام ایسا کوئی کر گیا
درد سے دل میرا بھر

لے بلائے ذرا دیکھئے
کیا کسی کے کوئی گھر گ

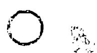
بات اسکی تو قائم رہی
سارا الزام ہم پر گ

جگمگانے لگی ہے فضا
کون اُدھر ماہ پیکر گ

اُس کو کس طرح اپنائیے
اپنے سائے سے جو ڈر گ

حادثہ کیا اثر کر سکے
غم کا احساس ہی مر گ

حالِ دل کس سے امجدؔ کہے
ہو کے برہم وہ اکثر گیا





وہ آئیں یا نہ آئیں غم نہیں ہے
مریضِ عشق میں، اب بر ہم نہیں ہے
بلا کا زور ہے طوفان میں لیکن
ہمارا عزم بھی، کچھ کم نہیں ہے
خدا رکھے تجھے تیری جفا کو
بہت کم ہو کے بھی، جو کم نہیں ہے
نہ جانے ہو گیا کیا ہے جہاں کو
بظاہر مجھ سے وہ، برہم نہیں ہے
بدلتے وقت کا نقشہ عجب ہے
کسی میں آج وہ دم خم نہیں ہے
انہیں ہونے لگا احساس میرا
مگر اب، اپنا وہ عالم نہیں ہے

اُن پر ہمارا زور کبھی بھی نہ چل سکا
ہستی ہماری موردِ الزام ہوگئی

شاید یہ میرے پینے پلانے کا ہے قصور
جو بات راز کی تھی، وہی عام ہوگئی

دُنیا کی فکر کیا کریں اور اُس کا ذکر کیا
جب زندگی ہی موردِ الزام ہوگئی

شکوے کی بات کیا ہے یہ قسمت کا ہے لکھا
منزل تو سامنے تھی مگر شام ہوگئی

افسانہ پیار کا تو چھپایا نہ جا سکا
یہ بات رفتہ رفتہ، مگر عام ہوگئی

مجرم رہے کسی کی نظر میں ہمیشہ ہم
تدبیر اپنی ہر جگہ ناکام ہوگئی

امجدؔ نہ ہو سکا کبھی حالات کا اسیر
اُس پر بھی اُس کی زیست تہِ دام ہوگئی

○



پیار میرا جو ترے واسطے رسوا ہوگا
اہلِ دنیا کے لئے ایک تماشہ ہوگا

اسی امید پہ ظلمت میں بھٹکتے ہی رہے
اک نہ اک روز ہمارا بھی سویرا ہوگا

ہوسکے تو میری نظروں سے ذرا دور رہیں
آپ جب تک رہیں ہرگز نہ اجالا ہوگا

اس کی آمد سے مرے گھر کی جو بڑھتی ہے رونق
غالباً اس سے مرا کوئی تو رشتہ ہوگا

میری نظروں سے کبھی دور وہ ہو جائیں گے
کیسے بتلاؤں مرا حالِ جنوں کیا ہوگا

مجھکو اندازہ نہیں آج تلک بھی انجم
کون اپنا ہے یہاں کون پرایا ہوگا



ہے لوگوں کی حالت کبھی کچھ کبھی کچھ
لگاتے ہیں تہمت، کبھی کچھ کبھی کچھ

یقیں ان کی الفت کا کیسے کریں گے
ہے ان کی طبیعت کبھی کچھ کبھی کچھ

الٰہی بچا تو نگاہوں سے اُن کی
یہ کیسی ہے لذت، کبھی کچھ کبھی کچھ

پیامِ محبت کے انداز دیکھو
دکھاتے ہیں الفت، کبھی کچھ کبھی کچھ

انہیں کیا ملا ہے ستانے سے ہم کو
انہیں بھی ہے حسرت، کبھی کچھ کبھی کچھ

کبھی دُور رہنا کبھی پاس آنا
یہ ہے کیسی الفت، کبھی کچھ کبھی کچھ

کسی اور کو دوش ہرگز نہ دینا
ہے اپنی ہی حالت، کبھی کچھ کبھی کچھ

بدلتے ہوئے موسموں کی بدولت
چمن کی ہے رنگت کبھی کچھ کبھی کچھ

عجب ہے محبت کا عالم بھی امجدؔ
کہ ہے دردِ فرقت کبھی کچھ کبھی کچھ



سحر کہیں تو کہیں، اپنی شام کرتے ہیں
ہم اپنی زندگی، یوں ہی تمام کرتے ہیں

خلوص پیار بڑھاتا ہے اس طرح ملنا
کہ ملنے والوں کا ہم، احترام کرتے ہیں

شبِ فراق کی بے تابیاں نہ پوچھ اے دوست
کسی کی یاد میں، نیندیں حرام کرتے ہیں

وفاؤں کا ہمیں کوئی صلہ ملے نہ ملے
مگر ہم ان کی جفا کو سلام کرتے ہیں

ہمارے دل میں نہیں پیار کے سوا کچھ بھی
اسی سبب سے، ترا احترام کرتے ہیں

عجیب طرزِ کرم ان کے پیار میں ہے نہاں
وہ اپنے ساتھ، ہمارا بھی نام کرتے ہیں

گلوں کے بدلے بچھاتے ہیں راہ میں آنکھیں
ہم ان کے واسطے، یہ احترام کرتے ہیں

وہ حیلہ سازی میں ماہر ہیں اسقدر امجد
جو بات کرتے ہیں، وہ ناتمام کرتے ہیں



تمہارے عشق کا دل سے عجیب ناتا ہے
کبھی بناتا ہے دل کو، کبھی جلاتا ہے

وفا کا عہد کوئی اس طرح نبھاتا ہے
نظر کے سامنے رہ کر نظر بچاتا ہے

زمانہ کیا تری شانِ کرم کو سمجھے گا
جسے تو چاہتا ہے، اسکو آزماتا ہے

ہم آنکھیں راہ میں جس کی بچھاتے تھے اب تک
ہماری راہ میں، کانٹے وہی بچھاتا ہے

بجھی بجھی سی فضائے چمن نظر آئی
ہمارا زخمِ جگر جب کبھی مسکراتا ہے

بچھڑ کے تجھ سے یہ عالم ہے میرے جینے کا
کہ جیسے کوئی سفینہ، بھنور میں آتا ہے

اگرچہ دولتِ دنیا نہیں ہے پاس اُس کے
محبتوں کے خزانے، مگر لٹاتا ہے

غموں کی دھوپ میں جسکو پناہ دی میں نے
وہ آ کے سائے میں، میرا ہی گھر جلاتا ہے

کسی کے ساتھ جو رخصت ہوا بشیر امجد
وہ دور اب نہیں رہ رہ کے یاد آتا ہے



دل کے زخموں میں، تازگی ہے ابھی
وہ نظر ہم سے، اجنبی ہے ابھی

دیکھئے کیا جواب آتا ہے
پیار کی لہر، کچھ چلی ہے ابھی

کوئی شاید اِدھر سے گذرا ہے
دھیمی دھیمی سی، روشنی ہے ابھی

حق بجانب ہے اُسکی ناراضی
لازماً مجھ میں کچھ کمی ہے ابھی

بول بالا ہے امن کا لیکن
ہر طرف کھلبلی، مچی ہے ابھی

چھوڑی ہے جو شاخِ گُل امجدؔ
کِھلنے والی کوئی کلی ہے ابھی





سنبھل کر بولنا، مشکل سے آیا
پر اپنے، تولنا مشکل سے آیا

پھنسے کچھ اس طرح زلفوں میں اُسکی
گرہ کا کھولنا، مشکل سے آیا

بہاروں پر شباب اِس طرح آیا
چمن میں ڈولنا مشکل سے آیا

وہ رُعبِ حسن تھا اُس انجمن میں
لبوں کو کھولنا مشکل سے آیا

جو مستی اُسکی آنکھوں میں بھری تھی
رس اُس کا گھولنا مشکل سے آیا

قیامت تھی روانی آنسوؤں کی
یہ موتی رولنا مشکل سے آیا

تھی امجد ہر طرف جھوٹوں کی دنیا
انہیں سچ بولنا، مشکل سے آیا



○

سکونِ دل لُٹا ہے بے کلی ہے
یہ ایسی کیا، تمہاری بے رخی ہے

ہمیں دھوکا نہ دو اے ہم نشینو
جسے ہم ڈھونڈتے تھے، یہ وہی ہے

بظاہر مہرباں وہ تو نہیں ہیں
ہماری راہ و رسم اُن سے ابھی ہے

ڈرانے لگ گئے زاغ و زغن بھی
مری ہمت میں شاید کچھ کمی ہے

مداوا کیسے ہوگا زندگی کا
طبیعت میں عجب کچھ برہمی ہے

تغافل نے کہاں پہنچا دیا ہے
تڑپنا ہی ہماری زندگی ہے

چلو لوگو محبت کی فضا میں
نگاہوں سے برستی روشنی ہے

تڑپ بے سود ہے امجد تمہاری
نظر میں اُس کی کچھ بیگانگی ہے

○



نہ تُو ہے مرا ، اور نہ میں ہوں کسی کا
یہی تو ہے عالم ، مری زندگی کا

کہا بھی نہ جائے ، سُنا بھی نہ جائے
عجب حادثہ ہے ، مری زندگی کا

نظر جس پہ جاکر رکی ہے ہماری
ہوا سامنا اکثر ، اُس اجنبی کا

نظر پھیر لی اُس نے اپنا بنا کر
صِلہ یہ ملا ہے ، ہمیں دوستی کا

تصور میں جس کے گذرتے گئے دن
خیال آگیا ہے ، ہمیں پھر اُسی کا

حضور آپ کا حوصلہ تو بڑا ہے
صِلہ کچھ تو ، دیدیجئے دوستی کا

نہیں ہے کوئی ساتھ دینے کو امجدؔ
یہی تو ہے حاصل ، مری زندگی کا





اپنا کے اُسے عشق کا انعام لیا ہے
ہم نے دلِ ناکام سے، وہ کام لیا ہے

کیا شکر ادا ہو ترا اے جذبِ محبت
کس شوق سے ظالم نے میرا نام لیا ہے

دیکھا نہ گیا حال یہ اربابِ چمن سے
سائے میں جو پھولوں کے کچھ آرام لیا ہے

میں اُسکی عنایات کو کیا بھول سکوں گا
ہر حادثہ میں، جس نے مجھے تھام لیا ہے

اک آپ کو رسوائی دنیا سے بچانے
خود اپنے پہ میں نے ہر اک الزام لیا ہے

جب تشنہ لبی بڑھنے لگی حد سے زیادہ
ساقی کی نگاہوں سے بھرا جام لیا ہے

دل اور جگر غم سے جو معمور ہوئے ہیں
امجد نے محبت کا یہ انعام لیا ہے





دل گیا جاں گئی اور رسوا ہوئے

ہم بھی تنہا ہوئے وہ بھی تنہا ہوئے

محفلِ یار میں جب بھی گویا ہوئے

نام پہ ہی ہمارے وہ شیدا ہوئے

ہم نے انجام الفت کا سوچا نہ تھا

سنتے تھے مسئلے بعد پیدا ہوئے

اک نظر آئینے پہ جب اُٹھی پڑی

اپنی صورت پہ ہی خود وہ شیدا ہوئے

سب بہار اپنی اپنی دکھا کر گئے

کیسے کیسے نہ دنیا میں پیدا ہوئے

ایک ہلچل سی دل میں ہمارے مچی

بام پہ جب بھی وہ جلوہ فرما ہوئے

جس پہ امجد شرافت کو بھی ناز تھا

کس کو معلوم وہ لوگ کیا کیا ہوئے





نشہ بہت چڑھا ہے اس پر بھی چل رہے ہیں
ہر گام کھا کے ٹھوکر، خود ہی سنبھل رہے ہیں

مایوسیاں ہماری کب تک رہیں گی آخر
پھولوں کی آرزو میں، کانٹوں پہ چل رہے ہیں

جنگل ہے آب جو ہے، دلبر بھی سامنے ہے
موسم بہار کا ہے پھولوں میں پل رہے ہیں

وہ میرے سامنے ہیں، ہے خواب یا حقیقت
آتا نہیں بھروسہ، ہم آنکھ مل رہے ہیں

اُس بے وفا کی حالت قاصد نے یہ بتائی
خط تو لیا ہے لیکن، ابرو پہ بل رہے ہیں

ہستی کے اس سفر میں کیا انقلاب آیا
پیچھے جو رہ گئے تھے، آگے نکل رہے ہیں

بربادیوں کا ماتم کب تک کروگے امجد
سب چھوڑ چھاڑ کر ہم بس غم میں پل رہے ہیں





وہ جو مجھ سے خفا ہو گیا
میرا جینا سزا ہو گیا

ظلم اُس کا روا ہو گیا
درد بڑھ کر دوا ہو گیا

اُس نے جو بھی کہا کچھ نہیں
اپنا کہنا، بُرا ہو گیا

اُس سے ملنا ہوا خواب میں
وعدہ اُس کا وفا ہو گیا

اک نظر جو کسی پر پڑی
دل کا ارماں، ہَوا ہو گیا

وہ مری بند آنکھوں میں تھا
آنکھ کھولی، جُدا ہو گیا

وقت کی بات امجد ہے یہ
ناخدا بھی، خُدا ہو گیا



○

اے حسنِ مجسم مجھے دیوانہ بنادے
دنیا کی ہر اک چیز سے بیگانہ بنادے

پروانہ بنانا ہی اگر ہے مرے دل کو
شمعِ رخِ محبوب کا پروانہ بنادے

ہر در پہ بھٹکنے کے لئے چھوڑ نہ مجھ کو
اپنا نہ بنانا ہے تو بیگانہ بنادے

دنیا سے نہ کہہ رازِ محبت کبھی اپنا
ایسا نہ ہو دنیا اُسے افسانہ بنادے

رکھے گا کشاکش میں غم و عیش کی کب تک
اک بار مرے دل کو تو غم خانہ بنادے

ہر بزم میں، میں ایسی نظر ڈھونڈ رہا ہوں
جو دل کو مرے، محفلِ جانانہ بنادے

امجدؔ پہ کرم ساقیٔ میخانہ کر اتنا
سانسوں کو مری، عمر کا پیمانہ بنادے

○



جھوٹ، دھوکے کی، نہ چوکھٹ پہ کبھی سر رکھنا
دِل میں رکھنا ہو تو، اللہ کا بس ڈر رکھنا

لاکھ ہوں شکوے شکایات محبت میں مگر
پاس اک رشتۂ دیرینہ، برابر رکھنا

راز کو راز ہی رکھنا ہے تو خاموش رہیں
درد کیسا ہی اُٹھے، ہاتھ نہ دِل پر رکھنا

پیار، اخلاص، وفا پر ہے یہ دنیا قائم
دوست بن کر، نہ گلے پر کبھی خنجر رکھنا

آج کل راہبروں کا بھی بھروسہ نہ رہا
راہ سیدھی جو دکھائے، وہی رہبر رکھنا

دوست احباب کے برتاؤ نے سمجھایا یہی
دشمنوں سے بھی رہ و رسم، برابر رکھنا

سنگ و شیشہ کا کوئی ساتھ نہیں ہے امجد
شہر پتھر کا ہے، شیشہ کا نہ تم گھر رکھنا





آنکھ کے تارے ٹوٹ رہے ہیں
آبلے پک کر پھوٹ رہے ہیں

لوٹ کا گھر ہے دنیا ساری
لوٹنے والے لوٹ رہے ہیں

جوشِ جنوں نے توڑے بندھن
قید سے قیدی چھوٹ رہے ہیں

ظاہری حالت دیکھنے والو
ہم اندر سے ٹوٹ رہے ہیں

راہِ وفا کے ساتھی امجد
رفتہ رفتہ چھوٹ رہے ہیں





برستی ہے حیا آنکھوں سے چہرہ مسکراتا ہے
خدا رکھے تمہارا حسن بھی، کیا کیا دکھاتا ہے

صبا پیغام لائی ہے نہ جانے کس کی آمد کا
کہ گلشن کا ہر اک ذرّہ، ہوا میں جگمگاتا ہے

زمانے کی نظر میں مجھ سے گو وہ دور ہیں لیکن
خیال ان کا مگر آ آ کے روز و شب ستاتا ہے

جہاں کی بے ثباتی درس دیتی ہے یہ انساں کو
یہاں پر جو کوئی آتا ہے، وہ اک روز جاتا ہے

اثر سے انقلابوں کے کوئی بھی بچ نہیں سکتا
زمانے کا بدلنا، ہر کسی کو آزماتا ہے

خزاں سے کم نہیں پھولوں کا موسم بھی مرے حق میں
مگر اپنا دلِ ناداں، ہمیشہ چوٹ کھاتا ہے

بُرے وقتوں میں امجد سب نگاہیں پھیر لیتے ہیں
بھلا تم ہی بتاؤ، کون کس کے کام آتا ہے





ردیاں ہیں، نہ دلداریاں ہیں
خدا جانے کیسی، یہ غمخواریاں ہیں

ل میں ان کی جو چنگاریاں ہیں
میرے دردِ دل کی، یہ گلکاریاں ہیں

دشمنوں کی نظر لگ نہ جائے
نہ جانے کہاں کی، یہ تیاریاں ہیں

لو ہی لوگوں نے اپنا لیا ہے
جہاں میں کہاں آج، غمخواریاں ہیں

ت کہاں کی، یہ ہے دورِ نفرت
جدھر دیکھتا ہوں، دِل آزاریاں ہیں

ہے کام والے انہیں کو پتہ ہے
ہر اک کام میں کتنی دشواریاں ہیں

اب انساں ہی انساں کا دشمن ہے امجد
یہ دیوانگی ہے کہ ہُشیاریاں ہیں





جب وہ چمن میں آجائے
زندگی جان و تن میں آجائے

شعلۂ دل اگر بھڑک اُٹھے
آگ سارے بدن تک آجائے

ان کے چہرے پہ یوں پڑیں زلفیں
چاند جیسے گہن میں آجائے

آج موسم بڑا سُہانا ہے
کاش تو بھی چمن میں آجائے

وہ سماں دیکھنے کا ہوتا ہے
اجنبی جب وطن میں آجائے

تو اگر پھیر لے نظر مجھ سے
زیست رنج و محن میں آجائے

تم جو رُخ سے نقاب اُٹھادو
روشنی انجمن میں آجائے

ہر مسافر کی آرزو ہے یہی
واپس اپنے وطن میں آجائے

پی لو اک گھونٹ ہی سہی امجد
تاکہ گرمی بدن میں آجائے





درد اُس کا حبیب جیسا ہے
دور رہ کر، قریب جیسا ہے

ظلم اتنا نہ کیجئے گا عاشق پر
یہ بچارہ، غریب جیسا ہے

ہوشیاری سے بات کر لینا
ہر کوئی اب، رقیب جیسا ہے

مہرباں جس پہ ہے نظر تیری
وہ بڑا خوش نصیب جیسا ہے

کس نے پائی ہے عشق کی منزل
راستہ یہ، صلیب جیسا ہے

اختلافات کو بھلا بیٹھو
رنگِ دنیا مہیب جیسا ہے

چاہے کچھ بھی کوئی کہے امجد
اُس سے رشتہ، حبیب جیسا ہے





زمیں تنگ ہے، آسماں تنگ ہے
ہمیں آپ، اپنے سے ہی جنگ ہے

ترے پیار کا کچھ عجب ڈھنگ ہے
تری ہر ادا، کا نیا رنگ ہے

کچھ اِتنا گِرا آج کا آدمی
کہ جینا بھی اب، باعث ننگ ہے

نظر آئینگے نقش چہروں کے کیا
ابھی دل کے آئینے پہ زنگ ہے

گلے مِل رہے ہیں بظاہر سبھی
مگر ذہن و دل میں سدا جنگ ہے

ہے بدلی ہوئی یوں روش وقت کی
جسے دیکھکر ہر کوئی دنگ ہے

ہیں حالات کی ایسی مجبوریاں
حیات اپنی امجد تہہِ سنگ ہے





آپ جس دن سے ہمارے ہو گئے
آسماں کے، ہم ستارے ہو گئے

میکدے کی شام بھی کیا شام ہے
جام و مینا، سب ہمارے ہو گئے

آرزوئیں دل کی ساری جاگ اٹھیں
دُور سے، ان کے اشارے ہو گئے

آپ کی نظروں نے جب ٹھکرا دیا
ہم جہاں میں، بے سہارے ہو گئے

حادثوں کی شر پسندی دیکھ لی
بے سہارا، غم کے مارے ہو گئے

زندگی نے ہم کو تنہا کر دیا
جتنے اپنے تھے کنارے ہو گئے

باغباں کو دیجئے امجدؔ دعا
دُور ہم سے سب نظارے ہو گئے





ان کی نظروں کا اشارا چاہیئے
شدّتِ غم میں، سہارا چاہیئے

دل کو سمجھایا ہے میں نے اس طرح
ہر ستم اُس کا گوارا چاہیئے

حادثے تو ساتھ رہتے ہیں سدا
زندگی کو، اک کنارا چاہیئے

درد نے مجبور کر کے رکھ دیا
اب یہاں کیسے، گذارا چاہیئے

آسرا لے کر کسی کی یاد کا
آرزؤں کو، نکھارا چاہیئے

آپ سے امجدؔ کی ہے یہ التجا
نام سے اُس کو پکارا چاہیئے





پیہم یہی ہے حال اگر حادثات کا
لبریز ہو نہ جائے پیالہ حیات کا

مکر و فریب اور یہ ریاکاریاں، دغا
نقشہ یہی ہے، آج کی، اس کائنات کا

جمہوریت کے دور میں سب ایک ہیں یہاں
چھوٹا بڑا، نہ فرق کوئی ذات پات کا

اک دو کا ذکر ہو تو بتائیں گے آپ کو
ممکن نہیں حساب یہاں حادثات کا

جینا اگر ہے تم کو تو ہمت سے کام لو
کرنا ہے تم کو سامنا مشکلات کا

ایفائے عہد کا جنھیں احساس ہی نہ ہو
امجد بھروسہ کیسے کریں ان کی بات کا





جو سُن لیتا ہے ہر اک کی دُعا کو
پکارو تم، سدا اپنے خدا کو

ترے در سے نہیں مایوس کوئی
بھلاؤں کس طرح تیری جفا کو

نہیں اپنی خطا پر جس کی نظریں
بُرا کہتے ہیں ہر اک کی خطا کو

وفا کا حوصلہ مجھکو ملا ہے
دعائیں کیوں نہ دوں تیری جفا کو

تمہارے حُسن کی رنگیں ادائیں
سہارا دیتی ہیں فکرِ رسا کو

نگاہیں رہتی ہیں ظاہر پہ سب کی
سمجھتا کون ہے دل کی صدا کو

پریشاں کس لئے ہوتے ہو امجدؔ
مصیبت میں نہ بھولو تم خدا کو





نظر ملی بھی تو، ان کا حجاب باقی ہے
سوال ختم ہوا ہے، جواب باقی ہے

نہ اب وہ خواب، نہ تعبیرِ خواب باقی ہے
فقط تصوّرِ عہدِ شباب باقی ہے

بلا سے کچھ نہ ہو باقی حیات میں لیکن
غمِ حیات، بصد آب و تاب باقی ہے

نظر نے دیکھے ہیں کتنے ہی انقلاب یہاں
ہر آن سلسلۂ انقلاب باقی ہے

مچل رہی ہے تمنّائے دید کیوں دل میں
ابھی تو چہرے پہ، ان کے نقاب باقی ہے

نہ ہوگی کم کبھی ساقی بہارِ میخانہ
تری نگاہ میں جب تک شراب باقی ہے

عجیب حال میں امجدؔ گزار دی تم نے
ہجومِ یاس کا، دل میں حساب باقی ہے





دردِ پنہاں کی پیاس رہنے دے ‏ ‏ اپنے ملنے کی آس رہنے دے

کچھ تو جینے کی آس رہنے دے ‏ ‏ نا امیدی، نہ پاس رہنے دے

تشنہ لب خود ہی کھچ کے آئینگے ‏ ‏ جام سے روشناس رہنے دے

جینے دیتی نہیں تری دوری ‏ ‏ یاد کو، دل کے پاس رہنے دے

اپنی نظروں کو تو اداس نہ کر ‏ ‏ ہو جو سفر اداس رہنے دے

اعتبارِ وفا نہ رسوا ہو ‏ ‏ اپنے وعدوں کا پاس رہنے دے

دیکھ اندر کا آدمی کیا ہے ‏ ‏ ظاہری یہ لباس رہنے دے

غیر کے سامنے نہ کر رسوا ‏ ‏ عشق کا کچھ تو پاس رہنے دے

تجھ سے ہے طالبِ کرم امجد

اُس کے ہوش و حواس رہنے دے





لا ہے اِس طرح سے زمانے کا حال اب
اپنا نہیں ہے کوئی بھی خود کو سنبھال اب

ں نے کیا ہے مجھ سے کچھ ایسا سوال اب
اُس کا جواب دینا ہُوا ہے محال اب

عدے تمام یوں بھی دکھاوے کی بات ہیں
کوئی نہیں کسی کا یہاں ہم خیال اب

وری نے اس طرح سے الگ کر کے رکھ دیا
ہر وقت اپنے دل میں ہے اُس کا ملال اب

ا رِ نفس کو چھیڑا ہے اس طرح وقت نے
ہٹتا نہیں ہے دل سے کسی کا خیال اب

ورا ہے پر کھڑے ہیں جو وہ جائینگے کدھر
صیّاد نے تو رکھا ہے پھیلا کے جال اب

امجد ہیں ایک جیسے یہ دشمن بھی دوست بھی
اپنی ہی سوچ کر، نہ کسی کا خیال اب





دُنیا ہمیں پھنسائے گی، کیا اپنے جال میں
گذری ہے ساری عمر، تمہارے خیال میں

چھیڑی تھی بات میں نے تو ایفائے عہد کی
اور آپ ہیں کہ آ گئے، اتنے جلال میں

حالات میکدے کے کچھ اِتنے بدل گئے
باقی رہا نہ فرق، حرام و حلال میں

دُنیا کے انقلاب کا کتنا اثر پڑا
یہ بات پہلے کب تھی، تری چال ڈھال میں

امجدؔ جواب کیا دوں اُسے سوچتا ہوں میں
بے طرح کھو گیا ہوں میں، اُس کے سوال میں





دیکھو گے جدھر بس وہیں، ساغر کی کھنک ہے
بدلے ہوئے موسم میں بھی، ساون کی لپک ہے

جب سے میری نظروں میں ترے رخ کی جھلک ہے
مجھکو تری آنکھوں کے، ہر اک جام پہ شک ہے

میخواروں کی جھرمٹ میں نظر آتا ہے زاہد
کس بات کی معلوم نہیں، دل میں کھٹک ہے

جیتے ہیں مگر جیتے ہیں اس حال میں ہم لوگ
قابو میں ہمارے، نہ زمیں ہے، نہ فلک ہے

ملتی ہے نظر چہرہ پہ، جمتے نہیں پاؤں
اُس شوخ کی آنکھوں میں، قیامت کی چمک ہے

چڑھتے ہی نشہ، اپنے میں کوئی نہیں رہتا
میخواروں کا ہنگامہ، فقط میکدے تک ہے

یہ درد پُرانا ہے، کہاں جائیگا امجدؔ
شدت نہیں لیکن، ابھی تھوڑی سی کسک ہے





یہ دنیا لذتوں سے ہی بھری ہے
ہر اک کے سامنے، سوداگری ہے

خدا رکھے سلامت حسرتوں کو
اسی سے سب میں، اپنی برتری ہے

سمجھنے کی کہاں، انساں میں طاقت
یہ حکمت اُس کی ہے، کاریگری ہے

محبت میں تری سب مبتلا ہیں
یہ تیرے حُسن کی، جادوگری ہے

کوئی بھی خوش نہیں ہے زندگی سے
زمانے کی عجب، فتنہ گری ہے

اُسی پر جان دیتے ہیں ابھی تک
عجب امجد کی آشفتہ سری ہے





تمہاری یاد کا، یہ سلسلہ رکا تو نہیں
سکونِ دل کا کوئی اور راستہ تو نہیں

تڑپنے پہ مرے رحم آتا ہے انہیں لیکن
ہنسی سے کہتے ہیں، وہ تجھکو کچھ ہوا تو نہیں

قریب و دور کا کیا ذکر، دل کے رشتے میں
وہ لاکھ دور ہیں، مجھ سے مگر جدا تو نہیں

حقیقتوں سے گریز آدمی کی عادت ہے
کسی کا کام مگر اس طرح بنا تو نہیں

زمانے تجھ سے میں، امید کوئی کیا رکھوں
یہ مانا تو سبھی کچھ ہے، مگر خدا تو نہیں

تجھے بھلا کے سکوں کس طرح ملے گا مجھے
سوائے تیرے مرا کوئی آسرا تو نہیں

ہزار کوششیں دنیا نے کیں مگر امجد
جو شعلہ دل میں اٹھا تھا کبھی بجھا تو نہیں



پھر ان سے ملاقات کبھی ہو نہ سکے گی
کہتی تھی جو وہ بات کبھی ہو نہ سکے گی

ملنے کو تو وہ شام و سحر ملتے ہیں لیکن
پابندیٔ اوقات کبھی ہو نہ سکے گی

ڈھاتی ہے شبِ ہجر عجب ہم پہ قیامت
پر ختم یہ اک رات کبھی ہو نہ سکے گی

تسکینِ وفا حسن کی محتاج ہی کب ہے
جب تک ہیں یہ حالات کبھی ہو نہ سکے گی

ہوتی تھی کبھی جیسی عنایات کی بارش
اب ویسی تو برسات کبھی ہو نہ سکے گی

امجدؔ کوئی لغزش کبھی سہواً بھی ہو اُن سے
یہ بات مرے ساتھ کبھی ہو نہ سکے گی





پھندا گلے میں دیکھ کے وہ مسکرا دیا
قاتل سے آنکھ لڑ گئی، سر کو ہلا دیا

آئینہ خانہ میں جو ہوا اُن کا سامنا
جو حال میرے دل کا تھا میں نے بتا دیا

اتنا بہا ہے خون ہمارا زمین پر
سرسبز لالہ زار زمیں کو بنا دیا

حالاتِ حاضرہ پہ ہے اب تبصرہ فضول
شہروں کو حادثات نے مقتل بنا دیا

امجد کی پارسائی پہ ہر اک کو ناز تھا
دُنیا نے اس کے قدموں کو بھی لڑکھڑا دیا





ہر اک کے ہاتھ میں، تلوار نامناسب ہے
غمِ حیات کی، تکرار نامناسب ہے

ملاؤ ہاتھ تو ایسا کہ دل سے دل بھی ملے
بنامِ امن، یہ پیکار نامناسب ہے

کہاں سے آئے گی شادابیاں گلستاں میں
فضائے گُل جو ہے بیمار نامناسب ہے

گرانی جا کے فلک پر رکی ہے اب لوگو
سروں پہ موت کی تلوار نامناسب ہے

نہ جانے نظمِ چمن رنگ پر کب آئے گا
یہ انتشارِ گُل و خار نامناسب ہے

ہو موقتی کوئی آزار، تو سہینگے ہم
مگر ہمیشہ کا آزار، نامناسب ہے

گھروں کے بیچ ہو، دیوار تو رہے امجد
دلوں کے بیچ میں، دیوار نامناسب ہے





آپ کے درد کو سینے سے لگا رکھا ہے
ہم نے دنیا کی نگاہوں سے چھپا رکھا ہے

ان کے جانے سے جو کم ہوگئی رونق گھر کی
دل کے ایوان کو ہر غم سے سجا رکھا ہے

ہر مسرّت نے زمانے کی دیا جب دھوکا
درد و آلام سے دل اپنا بسا رکھا ہے

دولتِ حُسن کی خیرات کبھی تو بانٹو
تم نے کس دن کے لئے اُسکو اٹھا رکھا ہے

ہوگیا آئینہ بھی خیر سے شاکی امجد
آپ نے حال یہ کیا، اپنا بنا رکھا ہے



○

دل کا جب زخم نکھر جاتا ہے — جذبۂ عشق سنور جاتا ہے

تیرے جلوہ میں اثر ہے ایسا — جانے والا بھی ٹھہر جاتا ہے

حوصلہ جس کو نہ ہو جینے کا — وہ تو خود آپ ہی مر جاتا ہے

آمد آمد تری جب ہوتی ہے — رنگِ محفل کا نکھر جاتا ہے

وقت ملتا ہے جو غم سے تھوڑا — یادِ ماضی میں گذر جاتا ہے

وقت کو دیکھ کے چلنے والا — آگے بڑھتا ہے ابھر جاتا ہے

جرم ہو جائے کسی سے لیکن — اس پہ الزام مگر جاتا ہے

جو بھی کرنا ہو کئے جا امجدؔ
وقت ہر طرح گذر جاتا ہے

○



عشق کا جب ظہور ہوتا ہے
حسن کو بھی غرور ہوتا ہے

پیار کو لاسکے گر نہ ہم سمجھیں
چاہنے والا دور ہوتا ہے

دیکھ سکتا ہے وہ ترا جلوہ
جس کے سینے میں نور ہوتا ہے

عیش والوں کو کیا خبر اسکی
غم بھی وجہِ سرور ہوتا ہے

آپ کی بے رخی سے بھی اکثر
دل میرا، چور چور ہوتا ہے

علم کی روشنی ہو جس کے پاس
وہ بڑا با شعور ہوتا ہے

کیوں خفا اِتنے ہو تم امجدؔ سے
ہر کسی سے، قصور ہوتا ہے





جب سے کہ پیار میرا بیدار ہو گیا ہے
ہونا تھا جس کا مجھکو دیدار ہو گیا ہے

دُوری نے میری اُسکو ایسا سبق پڑھایا
مِلنا مِلانا اب تو ہر بار ہو گیا ہے

حالاتِ زندگی سے جب ہو گیا پریشاں
کرنے کو غم غلط وہ میخوار ہو گیا ہے

خاموشیٔ نظر سے، مستی بھری ادا سے
ہر بات سے اب اُس کی اقرار ہو گیا ہے

وعدے وعید اُس کے باتیں دکھاوے کی ہیں
جانے نہ جانے اب وہ ہشیار ہو گیا ہے

رنگینیاں جہاں کی چھٹنے لگی ہیں اک ایک
اپنے لئے یہ گلشن، پُر خار ہو گیا ہے

نیکی بدی کی جب سے پہچان ہو گئی ہے
جنّت کا اب تو اختر حقدار ہو گیا ہے





محبت کا جادو اثر کر گیا — خموشی سے دل میں وہ گھر کر گیا

بہاروں کا موسم تھا کتنا حسیں — مگر ہم کو بے بال و پر کر گیا

نہ آنا ترا وقت پہ بے وفا — میری زندگی کی سحر کر گیا

دلاسا وہ ہر وقت دیتے رہے — پیامی سب اُسکی خبر کر گیا

تری یاد کا ایسا طوفان تھا — شبِ ہجر کو مختصر کر گیا

زمانے نے چھوڑا کسے جیتے جی — گیا جو یہاں سے وہ مر کر گیا

ہمیں اُس سے تھا پیار امجد مگر
وہ ہم کو کدھر سے کدھر کر گیا





وہ روٹھے ہیں، اگر تو غم نہیں ہے
ہمارا پیار بھی کچھ کم نہیں ہے

گلستاں پر یہ کیسا وقت آیا
برسنے، قطرۂ شبنم نہیں ہے

سہارا دینے والے سامنے آ
ہمارے بازوؤں میں دم نہیں ہے

چلے آؤ کبھی بن کر مسیحا
کہ دل کے زخم کا مرہم نہیں ہے

جفا اُسکی خدا رکھے سلامت
وفا بھی تو ہماری کم نہیں ہے

ادائے حُسن ہے برہم مزاجی
وگرنہ ہم سے وہ برہم نہیں ہے

یہ حُسن و عشق کی محفل ہے امجدؔ
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے





مجھے زندگی، تُو نہ برباد کرنا
سمجھ سوچ کر، مجھ پہ بیداد کرنا

زمانے میں شیوہ ہے انسانیت کا
مصیبت میں، انساں کی امداد کرنا

بُرائی کا بدلہ برائی سے ظالم
بُرا ہے کسی کو، بھی برباد کرنا

جہاں میں نہیں ہے کوئی سننے والا
کہاں جا کے اب غم کی فریاد کرنا

مری زندگی کا یہی فلسفہ ہے
وہ آئیں نہ آئیں مگر یاد کرنا

تمہارے ستم سب سمجھنے لگے ہیں
نیا ظلم اب کوئی ایجاد کرنا

ابھی تیرے وعدوں پہ زندہ ہے امجدؔ
کبھی اُس کے دل کو بھی آباد کرنا





دِل کا ہر ایک زخم جو رِسنے لگا ہے آج
کیا جانے تازہ اور بھی، کیا غم ملا ہے آج

سارے اسیر ہو گئے کیا قید سے رہا
کیا بات ہو گئی، درِ زنداں کھُلا ہے آج

سرگوشیاں چمن کی کبھی رنگ لائیں گی
گلشن کا رنگ اور ہی کچھ ہو گیا ہے آج

کس سے کریں گِلہ کہ یہ دنیا بدل گئی
حق پر جو اَڑ گیا ہے، وہی مر رہا ہے آج

آتا نہیں سمجھ میں کہ اس کا سبب ہے کیا
وحشت دلِ حزیں کی، جو کل سے سوا ہے آج

کل کی مصیبتوں سے رہائی ملی نہ تھی
طوفانِ حادثات کا، پھر سامنا ہے آج

حالات ہی زمانے کے امجد عجیب ہیں
شکوہ کسی سے ہے نہ کسی سے گلا ہے آج



نظم

یومِ آزادی

وقتِ روشن جو آج آیا ہے
ہر خوشی اپنے ساتھ لایا ہے

شہر میں ہر طرف خوشی ہے آج — باغ کی ہر کلی سجی ہے آج
کچھ فضا میں بھی دلکشی ہے آج — سب کے دل میں بھی روشنی ہے آج

آج بھارت نے نام پایا ہے
ہر خوشی اپنے ساتھ لایا ہے

رانی جھانسی مہان باقی ہے — ٹیپو سلطاں کی آن باقی ہے
اندرا سے بھی شان باقی ہے — یعنی ہندوستان باقی ہے

اب کے موسم کچھ ایسا آیا ہے
ہر خوشی اپنے ساتھ لایا ہے

یہ بھی گاندھی کی دین ہے ساری — نہرو چاچا کی شان تھی پیاری
دیس خوش ہے نہیں ہے دشواری — سب میں امجد ہے آج بیداری

ذرّہ ذرّہ پہ نور چھایا ہے
ہر خوشی اپنے ساتھ لایا ہے

○

○

نظم

(قومی یکجہتی کا پیام نوجوانوں کے نام)

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

زمانے کو اپنا بناتے چلو تم — خلوص و محبت بڑھاتے چلو تم
جو ہے زخم دل میں مٹاتے چلو تم — محبت کے نغمے سناتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

وطن کے لئے اب لڑو نوجوانو — ستم کے مقابل اٹھو نوجوانو
کبھی مت کسی کی سنو نوجوانو — صداقت کو دل میں جگاتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

یہ دنیا کی الفت تمہارے لئے ہے — یہ چشمِ شرافت تمہارے لئے ہے
ہر اک صبحِ روشن تمہارے لئے ہے — بھلائی کو اپنا بناتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

نئے گُل کھِلا کر بتانا ہے تم کو
ہمالہ کی چوٹی پہ جانا ہے تم کو
کمندیں لگا کر دکھانا ہے تم کو
اب آپس کی دُوری گھٹانا ہے تم کو

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

نئے دیپ دنیا میں اب تم جلا دو
ہیں پستی میں جو ان کو اونچا اٹھا دو
دلوں میں محبت کا گلشن سجا دو
سُروں میں نئے گیت گاتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

زمانہ کچھ ایسا بدل اب گیا ہے
برائی کے سانچے میں ڈھل اب گیا ہے
بھلائی سے ہٹ کر نکل اب گیا ہے
سبق شانتی کا سکھاتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

بُرائی سے مذہب نے روکا ہے ہر دم
سدا بغض و نفرت سے ٹوکا ہر دم
سنبھلنا ہے لازم کہ دھوکا ہے ہر دم
سبق نیکیوں کا پڑھاتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

محبت کے سانچے میں تم ڈھل کے دیکھو   صداقت کے رستے پہ تم چل کے دیکھو
آ جاؤ کہ اس بزم میں آ جل کے دیکھو   سدا رسم الفت نبھاتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

ہوں ہندو مسلماں کہ عیسائی سکھ ہوں   کرو غور تو سب ہیں آپس میں بھائی
ہیں انسان سب پھر ہو کیسے برائی   دلوں میں محبت بڑھاتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

خدا بھی رہے خوش تمہارے چلن سے   نہ ٹوٹے کوئی گل ہمارے چمن سے
سبق ہم نے سیکھا ہے پیارے وطن سے   زمانے کو وحدت بتاتے چلو تم

قدم سے قدم کو ملاتے چلو تم
غریبوں کی دنیا بساتے چلو تم

نظم

(بس کا سفر)



بس اپنی ہی رفتار سے جا رہی تھی
جو جس کی تھی منزل وہ پہنچا رہی تھی

اٹھی جو نظر دیکھا اک ماہ پارہ
کہ ہر اک تھا حیراں و محوِ نظارہ

ابھرتی جوانی بدلنے لگی رنگ
ہر اک کی نظر کو وہ کرنے لگی تنگ

گلا اس کا نگاہوں میں [illegible] بکھرا تھا
کہ مسکراتے [illegible] ایک جھکا گیا تھا

سیہ کالے بالوں میں وہ رنگین مکھڑا
گھٹاؤں میں جیسے چمکتا ہو چندا

حسین و جمیل و منور جبیں ہے
یہ مہتاب یا شعلہ آتشیں ہے

محبت تری ان اداؤں کے صدقے
وفاؤں کے پیکر سلیقے جوانی کے صدقے

مسافر برابر چلے آ رہے تھے
مگر کوئی واپس نہیں جا رہے تھے

اداؤں سے جھالرے دیئے جا رہی تھی
عجب تھا یہ منظر عجب یہ سماں تھا
یہ بس یا محبت کا کوئی مکاں تھا

ہوا سرسراتی چلی جا رہی تھی
وہ آنچل کو شانوں پہ ڈھلکا رہی تھی
نظر کیا ملی آہ میں کیا بتاؤں
جو آئی مصیبت اُسے کیا سناؤں

اچانک رُکی بس قیامت سی ٹوٹی
کہیں کیا کہ دل پر اک آفت سی ٹوٹی
نکل کر گئی وہ ہماری نظر سے
لگا دل کو دھچکا یہ ختمِ سفر سے

مرے دل کا وہ زخم اب تک ہرا ہے
جو ناسور سا آج تک بہہ رہا ہے

○

○

گیت (تضمین)

ہندو لکھنوی کے مصرع پر

"برکھا رت بھی بیت چلی"

ہم سے ہوئی کیا بھول ایسی
دل کو ہے اک بے چینی
تارے لے کر رات چلی

دل پر میرے اوس پڑی
برکھا رت بھی بیت چلی

تنہائی کی یہ راتیں
بھیگی بھیگی برساتیں
چھیڑتی ہیں گذری باتیں

کیا کہیں کیا دل پر گذری
برکھا رت بھی بیت چلی

ہم سے کب تک یہ دوری
ایسی بھی کیا مجبوری
آرزو ہوگی کب پوری

پھولوں میں کچھ باس نہیں
ملنے کی اب آس نہیں
ہم کو جنوں بھی راس نہیں

بیتا ہے یہ درد بھری
برکھا رت بھی بیت چلی

انجد کب تک راہ تکے
کاٹے نہیں کٹتے لمحے
کیا ہو یقیں وعدوں کے تیرے

ٹوٹ گئی حد سے دل کی لگی
برکھا رت بھی بیت چلی



ظلم کرتے ہیں، امتحاں کے لئے
جاں ہماری ہے، ان کی جاں کے لئے

جب سے دیکھی چمن کی بربادی
ہم تو مجبور ہیں، فغاں کے لئے

تنگ آکر جہاں کی نظروں سے
دل جلانا پڑا، نشاں کے لئے

ساتھ رہنے کی کھائی تھیں قسمیں
چھوڑ کر جاتے ہو، کہاں کے لئے

وہ ہر اک کو بتا نہیں سکتے
جو کیا ہم نے مہرباں کے لئے

جب سے قیدِ قفس میں آئے ہیں
دل تڑپتا ہے، گلستاں کے لئے

کیا کہیں کس طرح کی امجد
سعی کی ایک، آشیاں کے لئے





بے رخی سے مجھے تڑپا کے مزہ لیتے ہیں
دل کی حسرت کو وہ اس طرح مٹا لیتے ہیں

ہر ستم ان کا جو ہم ہنس کے اٹھا لیتے ہیں
زندگی کے لئے اِک راہ بنا لیتے ہیں

دلِ بربادِ محبت کی تسلی کے لئے
ہم تری یاد کو سینے سے لگا لیتے ہیں

جام سے جام کو ٹکرا کے ہم اربابِ وفا
تشنگی اپنی کسی طرح بجھا لیتے ہیں

یاد آتے ہیں جو ماضی کے وہ رنگین لمحے
اپنی اجڑی ہوئی دنیا کو بسا لیتے ہیں

جب غمِ دل کا مداوا نہیں ہوتا کوئی
اپنی مجبوری پہ کچھ اشک بہا لیتے ہیں

اس توقع پہ کہ امجد وہ کبھی آ جائیں
روز ارمانوں کی اک بزم سجا لیتے ہیں





محبت کے بڑھتے تقاضے چلے ہیں
تری یاد میں دن گذرتے چلے ہیں

بنا کر وہ اپنا ہوئے دور جب سے
مرے زخم ناسور بنتے چلے ہیں

یہ رہبر سے تو راہزن ہی ہے بہتر
ہر اک گام پر ہاتھ ملتے چلے ہیں

بظاہر گلے ملتے ہیں سب یہاں پہ
حسد سے مگر دل میں جلتے چلے ہیں

ترا شہر اب کاٹنے کو چلا ہے
گلی اور کوچے بھی ڈستے چلے ہیں

خرد نے جنوں سے کہا مسکرا کے
کہ صحرا میں کیوں ہم بھٹکتے چلے ہیں

زمانے سے امجد بجھانے کو کہدو
مرے دل کے شعلے بھڑکتے چلے ہیں





سمجھ سوچ کر ہی صنم بولتا ہے
جو ہے ہوش والا وہ کم بولتا ہے

زباں تو نہیں کھولتی اہلِ وفا کی
محبّت کی دنیا میں غم بولتا ہے

چھپائے سے کب چھپتی ہے دل کی حالت
سکوتِ نظر میں اَلم بولتا ہے

ہماری طرف اٹھتی ہیں سب کی نظریں
اشارے سے جب بھی صنم بولتا ہے

تصور میں جب بھی وہ آتے ہیں امجد
مری زندگی کا بھرم بولتا ہے





بے وفا سے وفا کب ملے گی — چاہنے کی سزا کب ملے گی

وہ تصور میں آنے لگے ہیں — دردِ دل کی دوا کب ملے گی

عمر تو ابتدا ہی اگر ہے — منزلِ انتہا کب ملے گی

سلسلہ غم کا رکتا نہیں ہے — راحتوں کی فضا کب ملے گی

ہر نفس اک پیامِ فنا ہے — زندگی کو بقا کب ملے گی

دم گھٹا جا رہا ہے قفس میں — گلستاں کی ہوا کب ملے گی

کٹ گئی زندگی جتنی امجد
پھر وہ واپس بھلا کب ملے گی





گر نہ ہو آپ کا دیدار تو پھر کیا ہو گا
درد جب بن گیا آزار تو پھر کیا ہو گا

رنگ لائے گا اگر پیار تو پھر کیا ہو گا
کھنچ کے آجائیں گے سرکار تو پھر کیا ہو گا

گھیر رکھا ہے ہمیں وقت کے طوفانوں نے
ڈوب جانے کے ہوں آثار تو پھر کیا ہو گا

ہوش میں آؤ ذرا آنکھ تو کھولو اپنی
اب بھی تم ہوں گے نہ بیدار تو پھر کیا ہو گا

آدمی جا کے کہاں ڈھونڈے گا سایہ کوئی
خود ہی گرنے لگی دیوار تو پھر کیا ہو گا

نزع کے وقت تو آنے کی ہے امید امجدؔ
اور اب بھی نہ ہو دیدار تو پھر کیا ہو گا





عجب آج کل رنگِ حالات ہے
جدھر دیکھئے غم کی برسات ہے

مسلسل جو فتنوں کی برسات ہے
بڑے آدمی کی سوغات ہے

ابھی سے بہکنے لگے کیوں قدم
ابھی تو جنوں کی شروعات ہے

جو بچھڑے تو اب بھی یاد کرتا نہیں
اُسی کی ہمیں یاد دن رات ہے

خطاؤں سے خالی نہیں ہے کوئی
ہر اک عیب سے پاک وہ ذات ہے

قریبی روابط تو اُن سے نہیں
اگرچہ کہ ان سے ملاقات ہے





اپنے جینے کی یہ کہانی ہے — زندگی ہے کہ آہ و زاری ہے

پھر بُلا کر وہ ہو گئے خاموش — شکر ہے یہ بھی مہربانی ہے

یہ بھی احسان کم نہیں اُس کا — اُس نے مجھ پر ستم کی ٹھانی ہے

خود بُلاتے ہیں دور رہتے ہیں — کتنی دلچسپ مہربانی ہے

آپ کو بھول کر بھی جینا ہے — عمر اپنی یوں ہی بتانی ہے

آ بھی جاؤ کہ بات رہ جائے — کب تلک مجھ سے بدگمانی ہے

اہلِ دنیا سے کیا غرض ہم کو — پیار اپنا تو جاودانی ہے

آج کی دوستی کی بات نہ کر — دشمنی بھی مگر پُرانی ہے

بھوک، افلاس، غم، ستم، الجھن
کیا غریبوں کی زندگانی ہے

